ماہنامہ

قلندر شعور

جولائی ۲۰۲۰ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

غیر جانبدار طرز فکر
(سوچ میں گہرائی)

جانبدار طرز فکر
(سطحی سوچ)

سوچ... کے دو رُخ

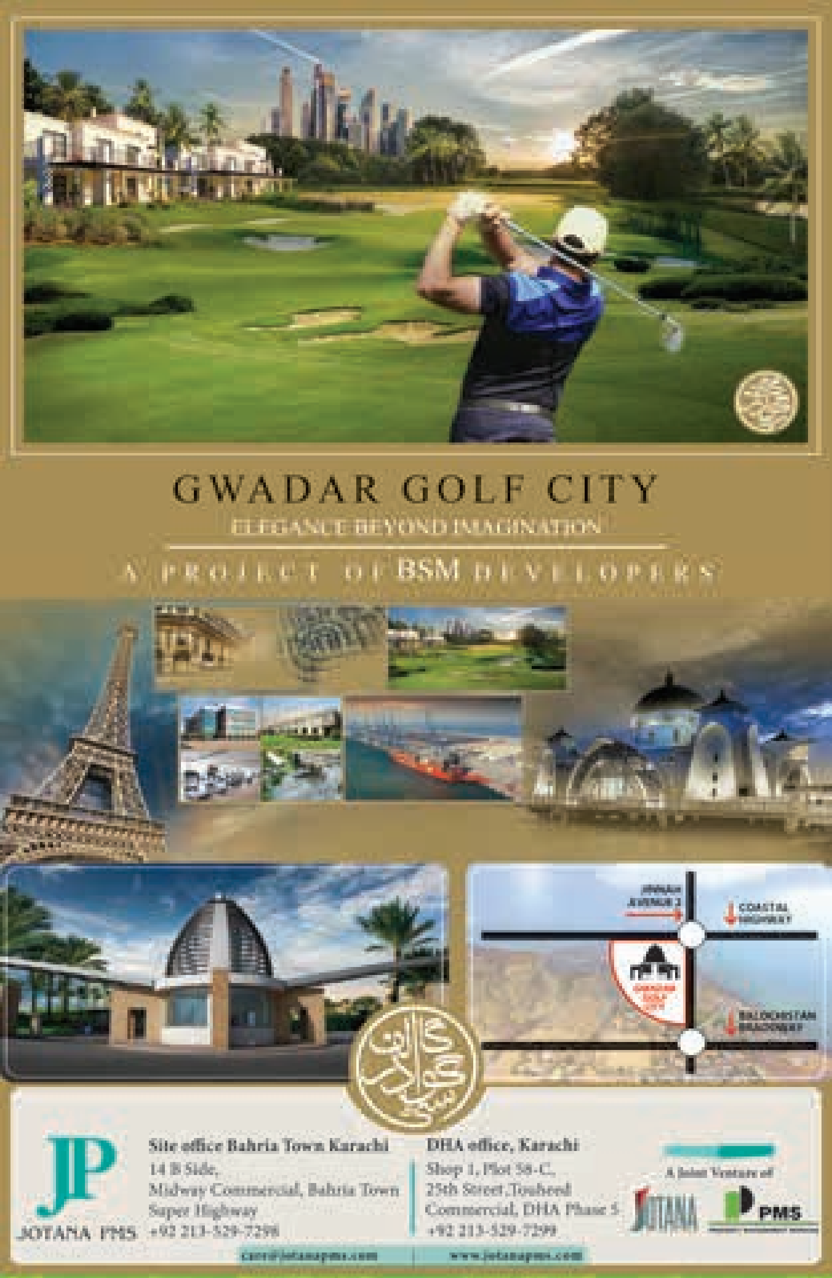
GWADAR GOLF CITY
ELEGANCE BEYOND IMAGINATION
A PROJECT OF BSM DEVELOPERS
Site office Bahria Town Karachi
14 B Side,
Midway Commercial, Bahria Town
Super Highway
+92 213-529-7298
DHA office, Karachi
Shop 1, Plot 58-C,
25th Street,Touheed
Commercial, DHA Phase 5
+92 213-529-7299
care@jotanapms.com
www.jotanapms.com
JOTANA PMS
A Joint Venture of
JOTANA
PMS

حضور قلندر بابا اولیاؒ

حیات، حالات، تعلیمات اور کائنات

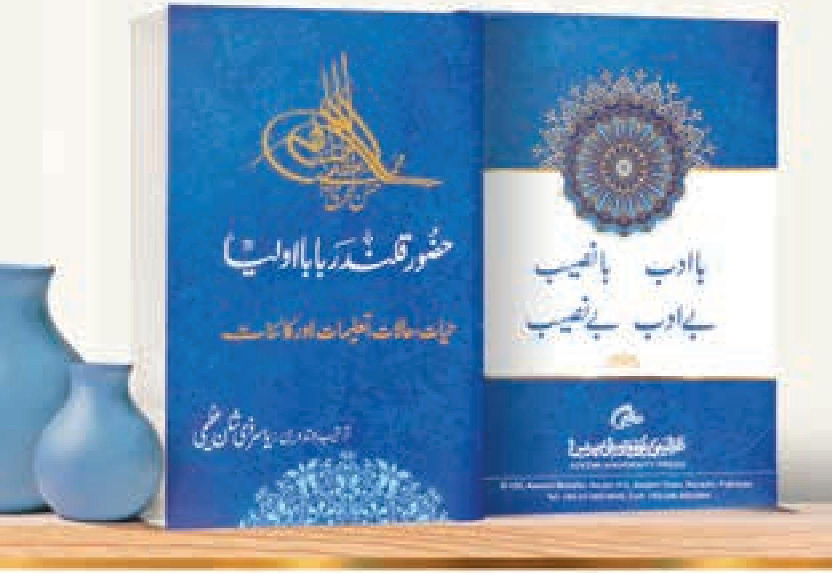

"قلب و جاں میں مقیم ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے اقوالِ زریں اور خزینہ علومِ تکوین اور فنون و علوم کے بارے میں دستاویز..."

ملنے کا پتہ:

یاسر ذی شان عظیمی رابطہ نمبر : +92-321-7120100

عظیمی یونیورسٹی پریس رابطہ نمبر : +92-213-6914040

انصاری بک سینٹر رابطہ نمبر : +92-345-3129984

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

OPG

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8841506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

f: lavishdinerestaurant

Lavish Dine
Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry
Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry
Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics
Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry
Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry
Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery
Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry
Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE
LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA
Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

جلد 8 شمارہ 6 | جولائی 2020ء | ذیقعد ـــ ذوالحج 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور

کراچی

Neutral Thinking

(اردو ـــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے..... سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ______ سجاد مرزا 10

نعت رسول مقبول ﷺ ______ سید صبیح الدین رحمانی 11

رباعیات ______ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 12

آج کی بات ______ مدیر مسئول 14

فقیر کی ڈاک ______ ادارہ 18

نامے میرے نام ______ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 20

خط — اللہ کے نام ______ عرفانہ شہزاد 23

سوچ میں سوچ ______ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 29

غیبت کا فلسفہ ______ بلال حسن 35

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل ______ خواجہ شمس الدین عظیمی 41

ہمارے کتنے وجود ہیں ؟ ______ (MBA) سید اسد علی 45

سورہ فلق ______ عبدالخالق 51

حضرت نظام الدین اولیاؒ کی اماں ______ شازیہ رشید 57

تمنائے وصلِ یار ______ عابد محمود 61

ستاروں کی مجلس ______ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 67

نقل مکانی ______ نفیسہ شاکر 75

لنگڑا — ؟ ______ (M.A-Mass Comm.) قرۃ العین واسطی 79

ماں پہ پوت پتا پر گھوڑا ________ زاہدہ تبسم (M.Sc-Zoology) 85

مارچ۔اپریل 2020ء کے سرورق کی تشریح ________ قارئین 91

ہمارا راہ نما۔۔۔ ضمیر ________ گلِ نسرین 95

اقتباسات ________ قارئین 100

اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا ________ ملک محمد ناصر 101

پورب کے ہم زاد ________ محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics) 109

عنکبوت ________ عثمان طاہر 115

25 فٹ کا بچہ ________ نیّر اعظم 119

اللہ میاں کے باغ کے پھول ____

اولی الالباب بچے ________ ادارہ 125

کل شئ یرجع الیٰ اصلہٖ ________ بی بی ایمن 127

ایسی زبان جس کا بغدادی قاعدہ نہیں ____ سارہ خان (M.A-Mass Comm.) 131

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ________ عظیمی خواجہ شمس الدین 135

Circle of Life ________ Bibi Anuradha (UAE) 146

The Energy Flows ________ Mukashfa Naeem (China) 150

The Central Point ________ Sohaib Rana (UK) 155

Bottles of Fragrance ________ Qurat-ul-Ain Wasti 161

Are You Eco-Friendly? ________ Shahab Adris (UK) 165

Prophet Muhammad (PBUH) ________ Extracted 168

Message of the Day ________ K. S. Azeemi 172

حمد باری تعالیٰ

سجّاد مرزا

فکر نمود ہے نہ الم انتشار کا
مجھ پر بڑا کرم ہے مرے کردگار کا

مالک تو دو جہان کا ہے رب ذوالجلال
چرچا چہار سو ہے ترے اختیار کا

دونوں جہاں میں تو ہی مرا کارساز ہے
تو آسرا ہے عاجز و امیدوار کا

تیرے کرم سے بگڑے بنے میرے سارے کام
تجھ سے بھرم رہا ہے یہ منت گزار کا

یارب! مجھے سکون کی دولت نصیب ہو
عالم بدل دے میرے دل بے قرار کا

مہکے مرے چمن میں بھی کوئی خوشی کا پھول
جھونکا ادھر بھی آئے نسیم بہار کا

سجّاد راہ عشق و طلب میں مثال طور
جویا ہوں میں بھی جلوۂ پروردگار کا

نعت رسول مقبول ﷺ

سید صبیح الدین رحمانی

حضورؐ ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لئے حاضر غلام ہو جائے

میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہ کو
بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہو جائے

تجلیات سے بھرلوں میں کاسۂ دل و جاں
کبھی جو اُن کی گلی میں قیام ہو جائے

حضورؐ آپ جو سن لیں تو بات بن جائے
حضورؐ آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے

حضورؐ آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل
سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہو جائے

ملے مجھے بھی زبان بوصیریؔ و جامیؔ
مرا کلام بھی مقبول عام ہو جائے

مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیحؔ ! مدحت خیرالانامؐ ہو جائے

حضورؐ ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لئے حاضر غلام ہو جائے

365 شب و روز

دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
وہ وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں
وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

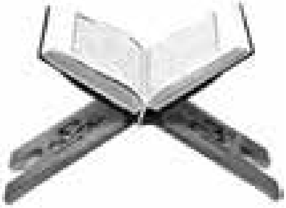

''زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہارے وجود میں۔کیا تم نہیں دیکھتے۔'' (الذٰریٰت: ۲۰۔۲۱)

محققین جانتے ہیں کہ آج تک انسان، حیات و کائنات اور وقت جیسے انتہائی اہم عوامل کی تشریح نہیں ہو سکی۔ یہ رباعی روح کی معرفت کی تشریح سے متعلق ہے۔ توجہ دلائی گئی ہے کہ خارجی چیزوں جسم، مادہ اور عناصر کے بجائے دورِ حاضر کے مفکروں اور دانش وروں کو پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ انسان بذاتِ خود کیا ہے۔

آج اور کل کے انسان کی مثال ایسی ہے کہ گھر میں خزانہ محفوظ ہے لیکن وہ گدائی کا کشکول ہاتھ میں لے کر بھیک مانگتے ہوئے در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ حالاں کہ اس کے اپنے گھر میں معرفت کا خزانہ محفوظ ہے۔ اگر وہ تفکر سے کام لے اور اس خزانہ کو نکالنے کی فکر کرے تو تمام سائنسی اور معاشرتی مسائل حل ہو جائیں گے۔ دنیا کے بارے میں اور اپنے بارے میں یہ جان لے کہ انسان اور وقت اور تمام بنیادی سائنسی عوامل غیب کے بغیر صفر ہیں تو وہ معرفت کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے اور اس سفر میں کہہ سکے گا کہ باہر فکشن ہے اصل حقیقت اندر ہے۔ اندر کیا ہے؟ آدمی پیدا ہوتا ہے، ہر روز چھپ جاتا ہے دوسرے روز ظاہر ہوتا ہے، تیسرے دن پتہ نہیں کہاں چلا جاتا ہے— 365 شب و روز کے نقوش موجود ہونے کے باوجود لاموجود ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دس سال کے نقوش لاموجود ہونے کے باوجود موجود رہتے ہیں، لاموجود نقش و نگار کہاں گئے؟

ایک دن کے بچے کی آنکھ، ناک، کان، قد، ہاتھ، پیر سب تبدیل ہو جاتے ہیں جبکہ موجود رہتے ہیں۔ کیا ایک دن کے بچے کی انگلی وہی رہتی ہے جو دس سال کے لڑکے کی ہوتی ہے___؟ ذہن کی کھڑکی کھولئے ___ دس سال پہلے کے نقوش موجود ہونے کے باوجود کیا تبدیل نہیں ہو گئے ___؟ اسی طرح دنیا کی ہر مخلوق کسی معین فارمولے پر بڑھ رہی ہے، گھٹ رہی ہے، بڑھ رہی ہے بالآخر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

''دنیا وہ نگر ہے جہاں کچھ بھی نہیں'' جب کہ فکشن بتا رہا ہے کہ سب کچھ ہے۔ سوچئے کیا واقعی یہاں کچھ نہیں—؟ انسان وہ گھر ہے جہاں کچھ بھی نہیں۔ جھونپڑی، حجرہ، گھر، بنگلہ، کوٹھی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے—؟ جس نے بھی گھر بنایا وہ تنکوں کا ہو، شیشے کا ہو، پتھر کا ہو یا لوہے کا جس نے گھر بنایا کیا وہ اس کی ملکیت ہے؟

آج کی بات

خیال اللہ تعالیٰ کا ایک پروگرام ہے جو پوری حیات پر محیط ہے۔ حیات کی ابتدا خیال سے ہے، اسی کے تحت تخلیق دوسرے عالم میں منتقل ہوتی ہے اور حیات و ممات کے درمیان ''وقفہ'' خیال ہے۔ خیال لاشعوری تحریک ہے جس کے داخل ہوتے ہی ذہن کی مشینری چلتی ہے اور آدمی دنیا کو پوری جزئیات اور لوازمات کے ساتھ اندر میں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ لاشعور کی تحریک رک جائے تو خود سمیت ساری دنیا عدم موجود ہوجاتی ہے۔ خیال کے حیات پر محیط ہونے کے باوجود توجہ نہیں دی جاتی کہ یہ کیا ہے، کس طرح ذہن میں آتا ہے، آتا کہاں سے ہے اور نظر کیوں نہیں آتا جب کہ نقوش سامنے آجاتے ہیں۔

رات دن کا مشاہدہ ہے کہ خیال آنے پر ذہن میں تصویریں بنتی ہیں اور کائنات میں موجود اشیا کا انکشاف ہوتا ہے۔ یقیناً خیال جس جہان سے آتا ہے، وہاں کی تصویریں ذہن میں آتی ہیں۔ یہ تصویریں کس جہان کی ہیں جن کو دیکھ کر ہم اِس جہان میں زندگی گزارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اِس دنیا میں رہ رہے ہیں ــــ؟

••———————••

خیال لاشعوری علم ہے جو ذہن پر نشر ہوکر غیب کی دنیا سے متعارف کراتا ہے۔ اس علم کو ماحول کی چھاپ کے بغیر قبول کرنے سے شعوری تحریکات مغلوب ہوتی ہیں اور ذہن کی فریکوئنسی اس ٹائم اور اسپیس کے قائم مقام ہوجاتی ہے جہاں سے خیال آرہا ہے۔ ذہن میں خیال اس وقت روشن ہوتا ہے جب نقش ونگار واضح ہوتے ہیں ــــ نوعِ آدم میں ایک طبقہ اولی الالباب ہے، وہ خیال کو نقوش واضح ہونے سے پہلے نور کی سطح پر دیکھ لیتا ہے۔

خیال کیا ہے ـــ؟ سماوات اور ارض کی تخلیق نور سے ہے۔ یہ امر ظاہر کرتا ہے کہ کائنات میں خیال کی ابتدائی حالت نور ہے۔نور میں ساری تخلیقات موجود ہیں مگر تخلیقات کے نقوش پر نور غالب ہے۔نور غالب ہونے سے حواس ایک نقطے میں مرتکز رہتے ہیں اور ٹائم اور اسپیس سمٹ جاتے ہیں جب کہ نقوش غالب ہونے سے حواس تقسیم ہوکر ہر تخلیق کو الگ الگ دکھاتے ہیں۔اس طرح نور نظر سے اوجھل ہوتا ہے اور طرز فکر پر تغیر غالب ہوجاتا ہے۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔ (النور:۳۵)

نور ایک ہے،اس میں مخفی مقداریں کثرت میں ہیں۔کثرت سے اسپیس کا غلبہ ہوتا ہے۔

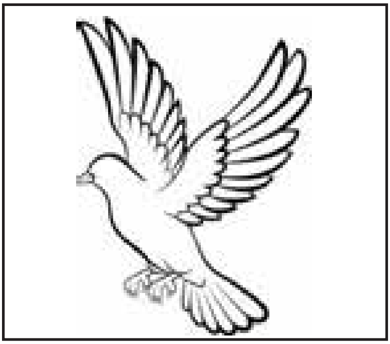

مثال: سفید کاغذ پر outline بنا کر فاختہ کی جگہ خالی چھوڑ دیں اور کاغذ دکھا کر گھر والوں سے پوچھیں کہ انہیں کیا نظر آتا ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم فاختہ دیکھ رہے ہیں۔

سوال: کیا outline کے بغیر خالی جگہ پر فاختہ نظر آسکتی ہے ـــ؟

نگاہ نے کاغذ پر خلا دیکھا۔جس وجہ سے خلا نظر آرہا ہے اسے نہیں دیکھا۔واضح ہوا کہ ہم خلا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے۔چاند،سورج،پھل،پھول،پہاڑ،فاختہ اور آدمی سب خلا ہے۔ خلا کا مختلف شکلوں میں نظر آنا اس بنیاد کے سبب ہے جس پر outline بنی ہوئی ہے۔

• • ——————— • •

کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات پر قائم ہے اور خیال کائنات کے صفاتی احساس کا مجموعہ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں جتنا علم ہے،سب خیال میں موجود ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں علیم ہوں، میں خبیر ہوں، میں سمیع ہوں، میں بصیر ہوں، میں قدیر ہوں، میں حکیم ہوں، میں خالق ہوں، میں مالک ہوں، میں رازق ہوں، میں آسمان وزمین کا نور ہوں، میں محیط

ہوں۔اصل یہ ہے کہ کائنات کا محل وقوع اللہ تعالیٰ کا علم ہے جو خیال کے ذریعے مخلوقات کے ذہنوں پر وارد ہوتا ہے۔ جتنے حواس ہیں سب کا مظاہرہ خیال کے تحت ہے۔ خیال حذف ہونے سے حواس حذف ہو جاتے ہیں اور ہمارے احساس میں اپنی ذات سمیت کوئی شے باقی نہیں رہتی۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ خیال کی اصل فریکوئنسی ''نور'' سے واقف ہو کر بندہ غیب کی دنیا میں داخل ہو سکتا ہے۔

آپ نے حوض میں فوارہ دیکھا ہے جس سے پانی گرتا ہے، دائرے بنتے ہیں اور کناروں تک پھیل جاتے ہیں۔ حوض میں جتنے دائرے ہیں سب اس ارتعاش سے منسلک ہیں جو فوارے سے شروع ہوا— جب تک آخری لہر کنارے کو نہیں چھو لیتی، حوض میں ظاہر ہونے والا پہلا ارتعاش جاری رہتا ہے۔ اگر فوارے کو تحریک نہ ملے تو حوض میں پانی ساکن ہے۔

کائنات میں یہی میکانزم خیال کا ہے۔ خیال چشمۂ حیات (لائف اسٹریم) ہے، ذہن جس سے ہر لمحہ منسلک رہتا ہے۔ چشمۂ حیات سے دھارے تسلسل اور ترتیب سے بہتے ہیں، آدمی اس ترتیب کو قائم نہیں رکھ سکتا کیوں کہ اس کے ذہن کی اسپیس اور ٹائم، خیال کی اسپیس اور ٹائم سے الگ ہے۔ خیال کی اسپیس نور کی اسپیس ہے جس سے آدمی واقف نہیں اس لئے بیداری میں بیش تر خیالات نظرانداز ہو جاتے ہیں۔ البتہ نیند کی دنیا مختلف ہے۔

نیند اور بیداری دونوں میں خیال ایک ہونے کے باوجود مظاہرے کا طریقِ کار مختلف ہے۔ آدمی پرتوں کا مجموعہ ہے اور ہر پرت صلاحیت ہے۔ پیاز (onion) کی مثال سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ نیند کی دنیا میں وہ پرت متحرک ہوتا ہے جس کے لئے ٹائم اور اسپیس مغلوب ہے۔ غور فرمائیں تو نیند میں آدمی ارادے میں معنی نہیں پہناتا بلکہ لاشعوری تحریک کے مطابق عمل کرتا ہے۔ بعض اوقات من پسند کام پورا ہونے سے پہلے آنکھ کھل جاتی ہے اور افسوس ہوتا ہے کہ کاش میں اس کے بعد کا منظر دیکھ لیتا۔ یہ خواہش احساس دلاتی ہے کہ نیند اور بیداری دونوں میں حیات لاشعوری تحریک (خیال) کے تابع ہے۔

سائنس روشنی کی رفتار ایک لاکھ 86 ہزار دوسو 82 میل فی سیکنڈ بتاتی ہے۔ یہ رفتار مفروضے پر قائم ہے کیوں کہ محقق نے روشنی نہیں دیکھی، وہ روشنی کو رنگ میں دیکھتا ہے اور رنگ کو روشنی سمجھتا ہے۔ روشنی کی اسپیس کا اندازہ نہیں ہوسکا، نور سے واقفیت کیسے ہوگی؟

نور کی اسپیس کا علم قرآن کریم میں ہے۔ تخلیقِ کائنات سے متعلق ارشاد ہے،

''اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتی ہے۔'' (یٰسٓ: ۸۲)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اپنا نور فرمایا ہے لہٰذا نور کی اسپیس — کُن فیکون ہے۔ جنت کی زندگی میں اسی اسپیس کی طرف اشارہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے بابا آدمؑ اور اماں حوا سے فرمایا،

''اور ہم نے آدمؑ سے کہا، تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ پیو۔ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے۔'' (البقرۃ: ۳۵)

آیت میں اشارہ ہے کہ جنت کی لامحدود اسپیس پر نوعِ آدم کو حکم رانی دی گئی ہے جہاں وہ خیال (ارادے) کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ جنت کے حواس سے استفادے کا اصول خوش رہنا ہے کیوں کہ خوش رہنے سے ذہن یکسو رہتا ہے اور صلاحیتیں ایک نقطے پر مرتکز ہو کر ارادے کی قوت بڑھا دیتی ہیں۔ جب کہ ناخوشی ذہن تقسیم کرتی ہے اور تقسیم سے حواس کی رفتار بکھر جاتی ہے۔ زمین ہو یا جنت کی دنیا — زندگی خیال پر قائم ہے۔ اگر خیال میں الوژن ہے تو جنت اسے قبول نہیں کرتی کیوں کہ الوژن ناخوشی ہے۔ خوش رہنے کے اصول پر عمل کر کے اور ناخوشی سے دور رہ کر بندہ جنت کے حواس سے واقف ہوسکتا ہے۔

قارئین خواتین و حضرات! جولائی 2020ء کے ''آج کی بات'' میں کوشش کی گئی ہے کہ لکھنے کا زاویہ تبدیل کیا جائے۔ ''آج کی بات'' پڑھنے سے الحمدللہ قارئین کی ذہنی صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے۔ بتائیے آپ نے تحریر میں کیا تبدیلی محسوس کی —؟

اللہ حافظ

فقیر کی ڈاک

تفکر ــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور و فکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ــــ عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

جب مجھے آپ کے اور اپنے رشتے کا احساس نہیں تھا تو ملاقات ہو جاتی تھی۔ اب احساس ہے تو ملاقات نہیں ہوتی، سرحدیں رکاوٹ بن گئی ہیں۔ میں مراقبہ میں یکسو ہونا چاہتی ہوں تاکہ جسمانی رکاوٹ سے آزاد ہو کر روحانی طور پر آپ سے ملاقات ہو سکے۔ مراقبہ کے دوران ذہن ڈوب جاتا ہے اور کبھی خیالات کی یلغار ہوتی ہے۔ کیا ذہن کا ڈوبنا مراقبہ کی کیفیت ہے؟ خیالات کی یلغار سے کیسے نکلوں؟ اپنا مراقبہ کیسے بہتر کروں؟

آپ کی بیٹی، چیتالی (کینیڈا)

بہت عزیز پیاری بیٹی، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ کی تحریر میں نے سنی۔ دل خوش ہوا اور آپ کی تصویر ذہن میں بن گئی۔ آپ کی والدہ صاحبہ اور والد صاحب دونوں قابلِ احترام ہیں۔ والد صاحب مستقل مزاج، صاحبِ فیصلہ اور پُریقین فرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے راستے پر جو اللہ کا پسندیدہ راستہ ہے، قائم رکھے، اصل زندگی کا کھوج لگانے میں یکسوئی عطا فرمائے اور تمام بزرگوں کے طفیل ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مراقبہ دراصل انگریزی لفظ concentration کا ترجمہ ہے۔ Concentration یا یکسوئی ایسی صفت ہے جو آدمی کو انسان سے واقف کر دیتی ہے۔ آدمی کی زندگی پر غور کرنے سے ہمیں حیوانات اور آدمی کی زندگی مشترک نظر آتی ہے۔ بھوک پیاس اور دوسری ضروریات گرمی، سردی، شادی، اولاد، ماں، باپ، آدمی اور حیوانات، گائے، بھینس برابر ہیں۔ اگر آدمی اپنی اس صلاحیت سے واقف نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو عطا فرمائی ہے تو ہمیں آدمی میں اور

گائے بیل اور دوسرے حیوانات، پرندوں اور حشرات الارض، ہر مخلوق میں زندگی کی طرزیں ایک نظر آتی ہیں۔

آدمی کی ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے، حفاظت کرتی ہے اور اس کے اندر محبت انڈیلتی ہے۔ اسی طرح پرندے اور دوسری مخلوقات اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں، ان کی تربیت کرتے ہیں۔ بچے جوان ہوتے ہیں۔ ان کے رہنے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔ جس طرح جانوروں میں ماں باپ ہوتے ہیں اسی طرح آدمی میں ماں باپ کے ملاپ سے تصویر بنتی ہے۔ یہ پورا نظام ہے جس سے ہر آدمی واقف ہے۔

لیکن جانوروں اور آدمی میں علم کی کیٹیگری ہے۔ ہر جانور میں عقل و شعور، ڈر اور خوف ہوتا ہے۔ یہ سب عادتیں آدمی کے اندر موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آدمی ایک علم سیکھتا ہے، وہ علم سیکھ کر آدمی کی کیٹیگری تبدیل ہو جاتی ہے اور آدمی انسان کے روپ میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ علم انسان کو تمام مخلوقات سے، اس میں فرشتے شامل ہیں، ممتاز کرتا ہے۔ ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم وہ علم حاصل کریں جن علوم کی بنیاد پر آدمی انسان بنتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور ولی دنیا میں بھیجے ہیں۔ وہ یہ علم سکھاتے ہیں۔

پہلی کلاس میں اس علم کی ابتدا مراقبہ سے ہوتی ہے۔ مراقبہ کا مطلب ہے کہ بندہ تمام خیالات سے ذہن خالی کر کے ایک خیال میں بے خیال ہو جائے۔ اس کو عرف عام میں concentration یا مراقبہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ آپ جو مراقبہ کر رہی ہیں، ذہن میں اس کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایک اللہ جس نے ساری کائنات بنائی ہے، اس سے میرا رشتہ قائم ہے۔ جب بندہ یہ علم سیکھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے قربت محسوس کرتا ہے تو پہلی کلاس میں الف، ب، پ، ت یاد ہو جاتے ہیں۔ مسلسل مشق سے پہلے قاعدہ ختم ہوتا ہے پھر کتاب لگتی ہے۔ پھر آدمی انسان کا روپ اختیار کر کے روحانی علوم سیکھ لیتا ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔

روحانیت میں علوم کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔

★ ایک علم شعوری ہے جو ہم پڑھتے اور سیکھتے ہیں۔

★ دوسرا علم روحانی ہے جس کا قاعدہ اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے اور اللہ کے نام پر قائم ہے۔

والد، والدہ، نانی، دادی اور سب بزرگوں کو سلام۔ آپ کے والد صاحب مجھے اچھے لگتے ہیں۔ ماشاء اللہ وہ اچھے اس لئے لگتے ہیں کہ وہ خود بہت اچھے ہیں۔ ان کو میرا اسلام۔

دعا گو، عظیمی

(15 مئی 2020ء۔ کراچی)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

مئی، جون 2020ء کے ''آج کی بات'' پر موصول شدہ تفکر میں سے منتخب خطوط:

عبدالواسع (دمام۔ سعودی عرب): جب شکوک اور وسوسے انتہا پر پہنچتے ہیں تو آفات نازل ہوتی ہیں۔ موجودہ وائرس ایسی آفت ہے جس کے سامنے ساری ترقی صفر ہوگئی ہے۔ آپ نے ''آج کی بات'' میں لکھا ہے کہ ذہن تالے کے بغیر صندوق ہے جو شکوک وشبہات سے بھرا ہوا ہے۔ اس کو پڑھ کر بات یہ سمجھ میں آئی ہے کہ ہمارے ذہنوں میں وسوسوں کی یلغار ہے جس کو روکنے کے لئے ہم نے کوئی انتظام نہیں کیا بس شکوک وشبہات کی لہر میں بہتے چلے جارہے ہیں۔ زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ رازق ہے مگر دل یقین سے خالی ہے۔

بی بی مریم (کراچی): ''آج کی بات'' پڑھ کر گزرے ہوئے کل کی بات پر تاریخ کے حوالے سے تفکر کرنے کو کہا گیا۔ یقیناً مئی، جون کے اداریے میں آج کے حالات کی منظر کشی گزرے ہوئے کل کے تناظر میں کی گئی ہے۔ میں نے قرآن کریم میں پہلے زمانے کے لوگوں کے قصے پڑھے کہ جب انہیں آفت کی خبر دی جاتی تھی تو وہ مذاق اڑاتے تھے۔ مہلت ختم ہونے کے بعد عذاب آتا لیکن معافی کا وقت ختم ہو جاتا تھا۔ موجودہ حالات دیکھ کر لگتا ہے کہ تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی ہے۔ نجات کا راستہ صرف اللہ کی فرماں برداری ہے۔

لبنیٰ (لاہور): مجھے ماہی گیر کا واقعہ بہت پسند آیا۔ ہم خوش رہنے کا انتظار کرتے ہیں کہ فلاں چیز ملے گی تو زندگی خوشیوں سے بھر جائے گی۔ اتنی دولت ہوگی پھر ہم زندگی آرام سے بسر کریں گے۔ خوشیوں اور سکون کے مواقع ہمیں ہر روز ملتے ہیں مگر ہم ان کو خوشیاں نہیں سمجھتے اور خوشی سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اللہ کے کرم سے روز عزت سے گزر بسر ہوتی ہے، کیا یہ خوشی اور سکون نہیں ہے ـــــ؟ زیادہ کی تلاش نہ صرف بے سکون کر دیتی ہے بلکہ حرص پیدا کرتی ہے۔ آخری صفحے پر خالی جگہ میں لفظ دوزخ آئے گا۔

ارمان علی (ملتان): ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں غیب ظاہر غیب کے موضوع پر بطور خاص متوجہ کیا جاتا ہے۔ ہمیں احساس نہیں ہے کہ ہم روز کہیں سے آتے ہیں اور روز چلے جاتے ہیں اس کے باوجود اس دنیا کو پائیدار سمجھتے ہیں اور دنیا ذخیرہ کرنے میں مگن ہیں۔ یقین نہیں ہے کہ ایک دن یہاں سے مستقل چلے جائیں گے اور سب کچھ اس دنیا میں رہ جائے گا۔ ''آج کی بات'' میں تحریر ہے کہ طلب اور ترک سے کوئی فرد آزاد نہیں مگر کسے چھوڑنا اور کیا اپنانا ہے اس کا فیصلہ الوژن کے تحت کیا جاتا ہے۔ اس جملے میں وضاحت ہے کہ زندگی دھوکے میں گزر رہی ہے اور یہ راستہ ہمارا اپنا منتخب کردہ ہے۔

صائمہ کوثر (اسلام آباد): جب کوئی ایجاد ہوتی ہے تو ہم محقق کی تعریف کرتے ہیں اور مثالیں دیتے ہیں۔ اتنی بڑی کائنات ہمارے سامنے ہے جس کا ہر منظر عجوبہ در عجوبہ ہے۔ بغیر کسی مشین اور افرادی قوت کے مناظر بدلتے ہیں اور نظام چلتا ہے۔ یہ سب کون کر رہا ہے اس پر غور نہیں کرتے۔ کیا ان تخلیقات کا کوئی نعم البدل ہے؟ سارا سرمایہ لگا کر بھی پانی نہیں بنا سکتے۔ ہم نے اندھے بہرے بن کر اللہ کی صناعی سے منہ موڑ لیا ہے اور فانی چیزوں میں دل لگائے بیٹھے ہیں۔ لاک ڈاؤن کے دنوں میں گھر پر نظر بند ہو کر میں نے بہت کچھ سیکھا۔ زندگی کی بیلٹ کیا ہے اور ہم کس راستے پر بھاگ رہے ہیں، کرونا وائرس نے مجھے غفلت کی نیند سے جگا دیا ہے۔

جویریہ (کراچی): خالی جگہ پُر کرنے کو کہا گیا ہے۔ میرا جواب یہ ہے — جنت نظیر زندگی دوزخ بن گئی ہے۔

م۔ط۔ر (بریڈفورڈ): میں برسوں سے برطانیہ میں رہ رہا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ کیسی آفت کیوں نہ ہو، ترقی یافتہ ممالک میں زندگی ترقی پذیر ممالک سے بہت بہتر ہے۔ محققین کا یہ دعویٰ بھی پڑھا تھا کہ صحرا میں سوئی پھینک دی جائے تو ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ مگر ایک وائرس، معلوم نہیں کہ وائرس ہے یا وائرس کے اجتماع سے کوئی جان وجود میں آئی ہے، اس کے سامنے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں ممالک بے بس ہو گئے۔ ایسی نشانیاں ہمارے الوژن کو توڑتی ہیں، ان سے سبق سیکھ کر زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مئی، جون 2020ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

نداسلیم (متحدہ عرب امارات): انٹرنیٹ پر رسالے کے چند مضامین پڑھے۔ جو یکسوئی کاغذ پر تحریر پڑھنے سے ہوتی ہے، وہ اسکرین پر مطالعے سے نہیں ہوتی، لفظ ذہن میں محفوظ نہیں رہتے۔ شاید وجہ اسکرین سے لہروں کا اخراج ہے جب کہ کچھ لوگ اسکرین پر کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ انٹرنیٹ پر سہی، رسالہ پڑھنے کو مل گیا۔ دعا ہے کہ حالات جلدی بہتر ہوں اور زندگی معمول پر آجائے، آمین۔

محمد عاصم (کراچی): ''یہ کیسا معالج ہے'' — سادہ اور تحریر جان دار ہے۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہے۔ مٹی صرف اس دنیا میں نہیں، ہر دنیا میں موجود ہے۔ البتہ دوسری دنیاؤں میں مٹی کا مادہ مختلف ہے۔ مٹی مقداروں کے ذخیرے کا نام ہے۔ جس مٹی سے مرشد گھر (ذہن) بناتا ہے وہ اس دنیا کی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مرشد کی بنائی ہوئی طرزِ فکر پائیدار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ میں وائرسوں سے ہونے والی تباہی پر مضمون معلوماتی تھا۔

عبداللہ خان (کراچی): جنگِ عظیم اول میں سپاہی جانوروں پر مضمون بہت پسند آیا۔ لاکھوں جانور آدمیوں کی لڑائی کی نذر ہو گئے۔ چیرامی نامی کبوتر کی بہادری اور کتوں کا صف میں سے دشمن کو سونگھ کر الگ کرنے کی صلاحیت نے بہت متاثر کیا۔ تحریر کو سمجھنے کے کئی زاویے ہوتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ ہر عمل کی کوئی نہ کوئی بو ہے۔ اگر کتے نے سونگھ کر دشمن کی نشان دہی کی تو یقیناً ''دشمنی'' بھی کوئی بو ہے جو کتے کو معلوم ہے۔ یہ معمولی صلاحیت نہیں ہے۔ حسِ شامہ ایک پوری دنیا ہے جس میں آنکھیں، ناک اور کان سب کچھ ہے۔

محمد دانش (راولپنڈی): زمین کے اندر اتنی اسپیس ہے کہ وہ ہر دور کو اپنے باطن میں سمیٹ لیتی ہے۔ اب ایک اور دور اختتام پذیر ہے اور زمین اسے چھپانے کے لئے تیار ہے۔ سوال یہ ہے کہ ادوار زمین میں کہاں ریکارڈ ہیں؟ زمین کیا ہے اور جہاں زمین ختم ہوتی ہے اس کے بعد کیا ہے؟ سب کہتے ہیں کہ پانی ہے لیکن پانی بھی تو کسی زمین پر ہوگا اور اس زمین کی بھی کوئی حد ہوگی۔ اس کے بعد کیا ہے —؟

★ کوئی مسئلہ لاینحل نہیں، سب کا جواب قرآن کریم میں ہے۔ رب کائنات کا ارشاد ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ قرآن کریم میں بیان کر دی گئی ہے۔ فرمان الٰہی یہ بھی ہے کہ ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا ہے، ہے کوئی سمجھنے والا؟ نہایت یکسوئی کے ساتھ تفکر کریں۔ انشاءاللہ ذہن کھلے گا۔

فضا علی (کراچی): تجویز ہے کہ بچوں کے صفحات بڑھائے جائیں۔ ہر ماہ صرف دو کہانیاں شائع ہوتی ہیں، کہانیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

ڈاکٹر وجیہہ مسعود (شہر کا نام نہیں لکھا): سارہ خان کی بچوں کے لئے کہانی جس میں بادشاہوں کے خواب کا ذکر ہے، پُرمغز تحریر ہے۔ ہم نے کبھی سوچا نہیں کہ خواب میں خود کو اکثر دوسری شکلوں میں کیوں دیکھتے ہیں۔ جیسے میں نے ایک بار خود کو پرندہ دیکھا تھا۔ کیا اسفل سافلین میں رہنے کی وجہ سے ہمارے اندر جانوروں کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور ہم خود کو مختلف جانوروں کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ آج تک سنا نہیں کہ کسی نے خود کو خواب میں پہاڑ کی شکل میں دیکھا ہو یا پہاڑ آدمی کی شکل میں نظر آیا ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے —؟

★ قارئین خواتین و حضرات! طبع آزمائی کیجئے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے سوال کا جواب لکھئے۔

عرفانہ شہزاد

خط ـــ اللہ کے نام

خط لکھنے کی تیاری مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جب گھر پر کوئی نہ ہوتا تو میں منہ ہاتھ دھو کر امی کی سرخی پاؤڈر لگاتی، آنکھوں میں کاجل سجاتی اور خط لکھنے بیٹھ جاتی۔ ورق آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ خط لکھنے کے بعد بھیگے کاغذ کو چوم کر ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہتی، ''آپ کے نام''۔

آج کل شام کو چھت پر چہل قدمی کرتی ہوں۔ سڑکیں سنسان اور راستے خالی ہیں۔ گھر کے پچھلی جانب فارم ہاؤس میں قطار در قطار درختوں کی شاخیں مست و خرم ہوا سے جھولتی ہیں۔ سڑک کے دوسری طرف پارک میں سبز رنگ تازہ گھاس کے تصور سے تلووں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے اور کیاریوں میں رنگین پھول نظر کو تازگی بخشتے ہیں۔

سڑک کنارے دھریک کے درخت سفید اور کاسنی رنگ پھولوں کے گلدستے اٹھائے کھڑے ہیں جن کی بھینی خوش بو سے فضا معطر ہے۔ زمین پر آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور آسمان میں وسعت دیکھ کر لگتا ہے کہ فطرت پُرسکون اور آسمان بے نیاز ہے۔ زمین و آسمان کے عجائبات پر غور کرنے والوں کو قدرت آسمانی وسعتوں سے ہمکنار کرتی ہے۔

نہیں جانتی کہ میرا اور اس کا ساتھ کب سے ہے البتہ یہ معلوم ہے کہ جب میں نہیں تھی ـــ میرا وجود اس کے ارادے میں موجود تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب روحوں کو جسم نہیں ملے تھے۔ جسم ملتے ہی اس کے اور اپنے ہونے کا احساس پیدا ہوا۔

اکثر سوچتی ہوں کہ جب میں نے دنیا میں آنکھ کھولی تو سب سے پہلے کیا دیکھا، پہلا خیال کیا آیا، کس کی آواز سنی اور سب سے پہلے کسے محسوس کیا۔

محسوسات کی دنیا اب تک اس لمحے سے سجی ہوئی ہے جب میں نے اردو لکھنی سیکھی اور مشق کر کے پہلا نام 'اللہ' لکھا۔ ورق پر بابرکت نام لکھتی رہتی مگر دل نہ بھرتا۔ اس نام میں اتنی کشش ہے کہ لکھنے بیٹھتی تو دیر تک لکھتی رہتی۔ یہ محض نام نہیں، بابرکت وجود ہے جس کے دم سے تشخص اور پہچان ہے۔

جب نام لکھنا شروع کیا تو مجھے یقین تھا کہ میں جو بھی ہوں، بس 'اس' کے ہونے سے ہوں۔ 'اللہ' نام سے اتنی انسیت ہوئی کہ اپنا آپ اجنبی ہوگیا۔ آئینے

میں دیکھ کر بے یقین رہتی۔ میں آج تک اپنے وجود سے نامانوس ہوں — ہر دم کچھ نہ کچھ بدل جاتا ہے۔

کڑی دھوپ اور ٹھنڈی چھاؤں میں ہر طرف اس کی مہربانیاں دیکھیں اور محبت علم الیقین سے عین الیقین میں داخل ہوگئی۔ حق الیقین کی مجھے خبر نہیں۔ اتنا جانتی ہوں کہ ہجوم یا تنہائی میں ایک لمحے کو دل احساس سے خالی نہیں ہوا۔ اندر میں کوئی کہتا کہ تم کمزور ہو — وہ مضبوط ہے۔ اس طرح وہ میرا یقین بن گیا۔

میں اس رشتے پر ناز کرتی اور دل ہی دل میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے اور مجھے یاد کرتا ہے۔ بعض اوقات میں چلتے چلتے ٹھہر جاتی۔ دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی جیسے دل ابھی سینے سے باہر آجائے گا۔ خمار چھا جاتا اور آنکھوں میں کھل بند شروع ہوجاتی۔ ایسے میں دل چاہتا کہ اس کے سوا پاس کوئی نہ آئے۔

گھر والوں کو خبر نہیں تھی کہ میرا مکان جس جہاں میں ہے، وہ جہاں کوئی اور ہے۔ 'اللہ' نام کی تکرار سے محسوس ہوتا کہ وہ ہر طرف ہے اور مجھے گہری نظر سے دیکھ رہا ہے۔ میں خود کو نگاہِ محبت کے نور میں چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور یاد میں مگن دیکھتی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر مسکراتا ہے، سامنے آتا اور چھپ جاتا ہے۔ اس کی محبت نے میرے اندر عجب ناز و انداز پیدا کردیئے تھے۔

زندگی شعور کے مدارج طے کرتے ہوئے آگے بڑھی اور موجودگی کا احساس قوی ہوتا گیا۔ بچپن کا شعور ذہن میں تھا اس لئے میں جانتی تھی کہ وہ کہی ان کہی سب سنتا ہے اور میرے لکھے بغیر دل کی بات پڑھ لیتا ہے۔ پھر بھی دل چاہتا کہ اسے خط لکھوں۔ شاید یہ میرے محدود شعور کی تسکین تھی۔

میں نے خط لکھنا شروع کئے۔ چپکے چپکے خط لکھتی، پڑھتی اور درسی کتابوں میں چھپا لیتی۔ کبھی الماری میں کپڑوں کے نیچے محفوظ کرلیتی۔ پھر وقت بہ وقت سارے خط نکال کر پڑھتی — کاغذ بھیگ جاتا تھا، سیاہی پھیل جاتی تھی اور محبت کے سارے رنگ نظر آتے تھے۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگتا تھا۔ بھیگے ہوئے کاغذ دیکھ کر میں کہتی، اے سیاہی! گواہ رہنا۔

خط لکھنے کی تیاری مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جب گھر پر کوئی نہ ہوتا تو میں منہ ہاتھ دھوکر امی کی سرخی پاؤڈر لگاتی، آنکھوں میں کاجل سجاتی اور خط لکھنے بیٹھ جاتی۔ ورق آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ خط لکھنے کے بعد بھیگے کاغذ کو چوم کر ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہتی،

''آپ کے نام''

اور تہ کرکے چھپا لیتی۔ پھر گھر والوں کے آنے سے پہلے منہ دھولیتی تاکہ کسی کو خبر نہ ہو۔ بیش تر خطوط میں جلا چکی ہوں۔ جو محفوظ ہیں ان میں سے مختصر ترین دو خطوط یہ ہیں۔

(۱)

اے میرے محبوب! میرے سچے رفیق، میرے رب اعلیٰ،

السلام علیکم،

آپ عظیم الشان کائنات کے رب ہیں۔اس ناچیز پر آپ کے احسانات بے شمار ہیں۔خاص کر محبت کی تپش جس سے ہر ساعت وجود موم کی طرح پگھلتا ہے۔آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور نگاہ محبت نے مجھے مدہوش کردیا۔اے میرے محبوب! مجھے لذتِ دیدار سے نوازیئے۔مجھ پر رحم کیجئے۔نورِ محبت کو بینائی عطا کیجئے تاکہ میں جلوۂ جانانہ دیکھ سکوں۔کاش وقت تھم جائے اور میں ہمیشہ آپ سے باتیں کرتی رہوں۔

فقط، آپ کی بندی

(۲)

اے میرے محبوب! میرے رب کریم!

السلام علیکم،

آپ کی کتابِ محبت ''قرآن'' میرے پاس ہے۔پڑھ کر ماحول سے بے نیاز ہوجاتی ہوں۔آپ کا کلام وسیع اور میری فہم محدود ہے۔بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ذہن پر بوجھ پڑتا ہے۔آپ کا وعدہ ہے کہ آپ نے قرآن کو سمجھنا آسان کردیا ہے۔امید ہے کسی روز آپ میرا ذہن کھول دیں گے۔'قل ھواللہ احد' پڑھ کر مجھ پر وجد طاری ہوجاتا ہے۔سچ ہے کہ آپ بے نیاز اور بے مثال ہیں۔آپ کا کوئی شریک نہیں۔

اے میرے محبوب! آیۃ الکرسی میری جان ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ 'اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ'۔

محبت کرنے والا یہی چاہتا ہے کہ آپ اسے دیکھتے رہیں اور وہ ــــ؟

اے محبوب! میں عاجز و مسکین، مجبور و بے کس، اپنی بے بسی کا اظہار کرتی ہوں۔آپ کی عظمت و بڑائی، قوت و طاقت، رحمتوں اور نوازشوں کا اقرار کرتی ہوں۔

اے میرے مالک! فیصلے کا اختیار آپ کے پاس ہے۔خدارا میری فریاد سنئے۔آنکھیں آپ کا ادراک نہیں کرسکتیں، آپ ان آنکھوں کا ادراک بن جایئے۔

فقط، آپ کی بندی

ذہن ہر وقت نامۂ محبت کی طرف متوجہ رہتا۔ سوچتی تھی کہ کاغذ قلم ہاتھ آتے ہی یہ لکھوں گی، وہ لکھوں گی۔ پھر ڈر پیدا ہوتا کہ کوئی پڑھ نہ لے۔ خطوط کی حفاظت مشکل ہو جاتی تو میں شعلوں کے حوالے کر دیتی۔

مجھے یاد ہے جب پہلی مرتبہ دل میں لگی آگ کو فاسفورس سے بنی آگ کے حوالے کیا تو محسوس ہوا کہ کاغذ نہیں جل رہا، میں جل رہی ہوں۔ کاغذ نہیں سلگ رہا، میں سلگ رہی ہوں۔ کاغذ راکھ نہیں ہوا، میں راکھ ہو رہی ہوں۔ آنکھیں جلنے لگیں اور چربی پگھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یکا یک جھما کا ہوا۔ کسی نے کہا،

''اطمینان رکھو! محبت کے خطوط جلے نہیں، نگاہِ کرم میں محفوظ ہو گئے ہیں۔''

اپنائیت کا احساس مزید گہرا ہو گیا۔ سکون اور اطمینان کی لہریں محیط ہو گئیں۔ پھر میں نے خطوط کی حفاظت کرنا چھوڑ دی۔ بس لکھتی اور الماری میں رکھ دیتی۔ بہت عرصے یہ معمول رہا۔ نجانے پھر کیا ہوا کہ میں نے خط لکھنا چھوڑ دیا۔ یہ عمل ترک کئے سالوں گزر گئے ہیں مگر وہ مجھ سے قریب ہے۔ اس کی تجلی شمع ہے اور میں پروانہ۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان پر سنہرے رنگ کی بہت بڑی کتاب کھلی ہوئی ہے۔ کتاب نے پورے آسمان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ میں نیچے کھڑی حیرت سے دیکھ رہی ہوں۔ ذہن میں آواز گونجی،

''یہ وہ خط ہیں جو تم نے ہمیں لکھے تھے۔''

مجھے باریک کاپی اور رجسٹر کے صفحے یاد آئے۔ عرض کیا، میں نے تو آپ کو بہت کم خط لکھے تھے۔ یہ اتنے زیادہ ــــ؟

ہاں! یہ تمہارے خطوط ہیں۔ آواز دوبارہ گونجی۔

میں خوشی سے رونے لگی۔ آنکھ کھلی تو چہرے پر نمی تھی اور دل شکر کے جذبات سے لبریز تھا۔

مجھے یاد ہے ان دنوں گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ ہم سیر و تفریح کے لئے ایبٹ آباد گئے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ہر سمت نظر آتا۔ پہاڑوں میں، وادیوں میں چھا جانے والی دھند میں، اوپر، نیچے، ہر طرف۔ اکثر چونک جاتی کہ یہ کیسا دیکھنا ہے کہ میں اسے دیکھ رہی ہوں اور وہ نظر بھی نہیں آتا۔

گھر میں کسی بڑے سے پوچھا، کیا اللہ کو دیکھا جا سکتا ہے ــــ؟ مجھے جھڑک دیا گیا کہ ایسی باتیں نہیں کرتے۔ آئندہ اس بارے میں سوچنا بھی مت۔

زبان خاموش رہتی لیکن آنکھیں جواب دیتی تھیں کہ وہ محبوب ہی کیا جسے دیکھا نہ جا سکے۔

اسکول میں سہیلی سے کہا، اللہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔

اس کے چہرے پر تشویش پھیل گئی۔

اس نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا۔

میں نے پھر کسی سے دل کی بات نہیں کی۔

نویں جماعت میں تھی کہ عجیب خیال آیا۔ بار بار قبر

میں لیٹنے کا دل چاہتا تا کہ معلوم ہو کہ ماحول کی تبدیلی حواس پر کیا اثرات مرتب کرتی ہے۔ بظاہر اس خواہش کا پورا ہونا موت سے پہلے ممکن نہیں تھا۔ خیال رد کرنے سے شدت میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے اللہ سے مدد مانگی کہ یا اللہ! کوئی انتظام فرما دے۔

ایک روز صبح کے وقت اسکول جانے کے لئے گیٹ کھولا۔ سڑک کے دوسری طرف تازہ مٹی کا ڈھیر نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھا تو تقریباً چھ فٹ گہرا گڑھا تھا۔ غالباً پانی یا سیوریج کی لائن کے لئے کھدائی کی گئی تھی۔

آنکھوں میں چمک آ گئی۔ دل قبر نما گڑھے میں اترنے کے لئے مچلنے لگا لیکن سفید یونیفارم کا خیال آتے ہی خود کو سمجھایا کہ شام ہونے تک صبر کروں۔ کسی نے دیکھ لیا تو پاگل سمجھے گا۔

گرمیوں کے دن تھے۔ بالآخر شام ہوئی۔ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ چنبیلی کی خوش بو فضا میں پھیل گئی۔ بچے گلی میں کھیل رہے تھے۔ آج میں نے سفید یونیفارم تبدیل نہیں کیا۔ کسی بہانے سے پہنے رکھا۔ مغرب کے بعد اندھیرا پھیلنا شروع ہوا لیکن اندھیرا ابھی روشنی تھا۔ بچے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ کچھ بچے ابھی تک کھیل رہے تھے۔ میں نے چپکے سے نظر بچا کر گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور سیدھا لیٹ گئی۔

مٹی کی نمی محسوس ہوتے ہی کیفیت بدل گئی ــــ گھر کے سامنے سنگ مرمر کی دیوار قریب ہوتے ہوئے بہت دور نظر آئی۔ آس پاس کے گھروں میں بتیاں جلتے بجھتے دیے بن گئیں۔ جھرجھری سی آئی اور ہر چیز ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں اور جسم غیر محسوس ہو گیا۔

اف! کتنا بڑا دھوکا ہے۔ دنیا اور رشتے ناتے سب کھیل تماشا ہے۔ صرف ایک رشتہ حقیقی ہے اور وہ اللہ ہے۔ حواس اس نقطے میں سمٹ آئے۔ مٹی مٹی میں مل رہی تھی اور جان جان سے لپٹ رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر میں وہاں بے سدھ پڑی رہی۔

امی نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ گلی میں خبر پھیل گئی کہ میں گم ہو گئی ہوں۔ ہر طرف تلاش جاری تھی۔ گلی میں اندھیرے کی وجہ سے کسی کو گڑھے میں دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ کافی دیر بعد ایک بچے نے مجھے دیکھ لیا اور سب کو خبر کی۔ پریشان آوازیں سماعت سے ٹکرائیں اور میں قبر کے ماحول سے نکل آئی۔

دو افراد نے مجھے کھینچ کر باہر نکالا۔ چند گھنٹوں میں رنگ زرد ہو گیا تھا۔ بہت دن تک کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہا۔ بھوک کم ہو گئی لیکن تجربہ اچھا تھا۔ باعث تسکین بات یہ ہے کہ ہر جہاں میں وہ میرے ساتھ ہے۔ چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔

اے اللہ! تو اعلیٰ و بزرگی والا رب ہے
میں نجس و ناپاک بندی
تو قادر مطلق ہے
اور میں مجبور محض
تیرے حکم سے میرا وجود ہے

تجھے اپنے محبوبؐ کا واسطہ
مجھے نورِ محبت سے محروم نہ کرنا

محبت بھرے دن اور محبت بھری شامیں تھیں۔

میں سولہ سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر جاتی اور تنہائی میں ٹہلتے ہوئے باتیں کرتی تھی۔ لگتا تھا کہ خون میں جوش پیدا ہوگیا ہے اور لہروں میں تلاطم برپا ہے۔ اظہارِ محبت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ سرسراتی ہوائیں کان میں سرگوشیاں کرتی تھیں۔ جواب موصول ہونے پر طاقت سلب ہوجاتی اور میں زمین پر ڈھیر ہوجاتی۔

گھر والے ڈانٹتے تھے کہ کیا بلاوجہ مسکراتی رہتی ہو۔

میں کسی کو کیا بتاتی؟

سچ کہتے ہیں کہ گھر کا تبدیل کرنا شعور کا ٹوٹنا ہے۔ میرا شعور بھی بہت مرتبہ ٹوٹا۔ ہم محلے سے سوسائٹی میں منتقل ہوگئے۔ والد صاحب نے قیمتی گھر جہاں میرا بچپن گزرا، سستے داموں فروخت کر دیا!

سیڑھیاں، چھت اور وہ کمرا — میرا بستر کھڑکی کے بالکل نزدیک تھا۔ رات میں سوتے ہوئے کھلا آسمان اور چاند آنکھوں کے سامنے ہوتے۔ چاندنی راتوں میں چھت پر ٹہلتے ٹہلتے تھک جاتی تو کمرے میں آکر بستر پر لیٹ جاتی۔ پورے چاند کی رات میں روشنی کمرے میں پھیلنے سے ماحول پُراسرار ہوجاتا۔ میں مسکراتے ہوئے پوچھتی کہ اے چاندنی! کیا تم میری تلاش میں اندر آئی ہو — ؟

میں نے سردیوں کی راتوں میں بارہا چاند کی روشنی میں اللہ کے لئے اشعار لکھے جن کے جواب آنکھیں بند کرنے کے بعد موصول ہوتے۔

بچپن کے گھر سے جذباتی وابستگی کی وجہ وہاں میرا گزرا ہوا بچپن نہیں تھا۔ میں اس لئے اداس تھی کہ گھر کے چپے چپے میں یادیں بسی ہوئی تھیں۔ اسے یاد کرنے کی ابتدا اس گھر سے ہوئی تھی۔ فرش پر گرنے والے آنسو بظاہر مٹ چکے تھے مگر مجھے واضح دکھائی دیتے تھے۔ میں اکثر کہتی تھی کہ

''اے فرش! گواہ رہنا، یہ آنسو نہیں، میری محبت، میرا لہو ہے۔''

گھر تبدیل کرنے کا انتہائی دکھ تھا۔ مگر حسرت و یاس اطمینان میں بدل گیا جب بچپن کے گھر میں آخری روز اندر میں آواز گونجی،

''تم ہماری محبت کو سینے سے لگائے ہماری طرف ہی آرہی ہو۔''

دل بھر آیا۔ یا اللہ! بے شک میرا سفر آپ سے آپ کی جانب ہے۔ ٹھیک اس روز سے دل گھروں سے آزاد ہوگیا۔ مٹی کی در و دیواریں نہیں، بندے کا اصل گھر دل ہے جہاں محبوب رہتا ہے۔ آج بھی جب گھر سے نکلتی اور داخل ہوتی ہوں تو یہ ضرور کہتی ہوں کہ

''یا اللہ! آپ مجھ سے رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں — نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔''

ڈاکٹر نعیم ظفر

سوچ میں سوچ

پتھر، لوہا، تانبا اور سیلیکان سب خاک کے پیمانے ہیں۔ ہر دور میں آدمی خاک کے نئے پیمانے سے ٹیکنالوجی کا ایک اور باب رقم کرنے کی کوشش کر کے پرانی چیزوں کو نیا لباس پہناتا ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

ہر چیز خیالات کی ہے پیمائش
ہیں نام کے دنیا میں غم و آسائش
تبدیل ہوئی جو خاک گورستان میں
سب کوچہ و بازار کی تھی زیبائش

مظاہر خیالات کا عکس ہیں۔ خیال شبیہ* در شبیہ باطن پر وارد ہوتا ہے۔ باطن کی انسپائریشن کو آدمی عادتاً ظاہر میں دیکھتا ہے، اس کے تحت ایجادات کرتا ہے اور ایجادات سے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ غفلت یہ ہے کہ ذہن اینٹی کلاک وائز سوچنے کا عادی نہیں یعنی جن خیالات کو ظاہر میں دیکھنے کا خواہش مند ہے، ان کا سورس کیا ہے، اس بارے میں نہیں سوچتا۔ اس طرح ظاہر، باطن اور ظاہر میں اطمینان کی جستجو نسل در نسل جاری رہتی ہے۔

ظاہر میں تغیر کی وجہ سے آدمی حقیقی سکون سے ناآشنا ہے۔ قلندر شعور بتاتا ہے کہ باطن سے ملنے والی ترغیب پر سوچ بچار کا رخ نزول کے بجائے صعودی طرزوں میں ہونا چاہئے۔ یعنی جو خیال اندر میں آیا ہے، اس کے میکانزم کو باہر بیدار کرنے کے بجائے اپنے اندر بیدار کرے۔ مضمون میں موجودہ تحقیق و تلاش کے ظاہری رجحان پر بحث کی گئی ہے۔ تحقیق و تلاش کے ارتقا کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو تمام ایجادات احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی تخلیقات سے اخذ کی گئی ہیں۔ جیسے پرندوں کا اڑنا اور ہوائی جہاز۔

ہم موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کی شاہکار chip کا بھی جائزہ لیں گے جس کی مدد سے کسی بھی زبان میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔ یہ چِپ خوابوں کی ایسی حقیقی دنیا ہے جس میں روزمرہ کام ایک حد تک زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد انجام دیئے جاتے ہیں۔

آدمی نے خیالات کی پیمائش مٹی کے کئی رخوں سے کی ہے۔ ان میں پتھر کا دور، لوہے کا دور، تانبے کا دور،

---

* شبیہ (شباہت۔ عکس۔ image)

میکانکی وحرکی دور اور فی زمانہ سلیکان (ریت) کا دور شامل ہے۔موجودہ دور میں انٹرنیٹ پر سوچ — سوچ سے ہم کلام ہے۔انٹرنیٹ کی خیالی دنیا میں سوچ جغرافیائی حدود وقیود میں رہتے ہوئے کرۂ ارض کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر بیک وقت محیط ہے۔

محقق ایسی دنیا تخلیق کرنے میں کوشاں ہے جہاں زمان و مکان کی قید نہ ہو۔مضمون میں اس پہیلی کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس دنیا کی محقق کو تلاش ہے ، کیا وہ ہمارے داخل میں موجود نہیں جب کہ الہامی کتابیں ایسے زاویۂ فکر کے بارے میں بتاتی ہیں جس سے زمان ومکان کی قید سے رہائی مل جائے۔

خیال داخل (باطن) سے آتا ہے، عکس در عکس ذہن میں نقوش بنتے ہیں، ہم ان نقوش میں پیدا ہونے اور ابھرنے والے تقاضوں کو معنی پہناتے ہیں۔اس طرح جسمانی وجذباتی کشمکش جاری رہتی ہے۔

زمین کے سطحی خدوخال مسلسل تبدیل ہوتے ہیں۔ پتھر، لوہا، تانبا اور سلیکان سب خاک کے پیمانے ہیں۔ ہر دور میں آدمی خاک کے نئے پیمانے سے ٹیکنالوجی کا ایک اور باب رقم کرنے کی کوشش کرکے پرانی چیزوں کو نیا لباس پہناتا ہے۔جیسے لوہے سے سلیکان کے دور میں داخل ہوگیا۔کیا لوہے کے دور میں مٹی کے اندر سلیکان موجود نہیں تھی— ؟ ناواقفیت کی وجہ سے اس نے صرف لوہے کو دیکھا، اب سلیکان دیکھ رہا ہے۔

نہ جانے مٹی پر سے مزید کتنے رخ پردہ اٹھنے کے منتظر ہیں اور کتنے اٹھ چکے ہیں جس کا ہمیں پورا علم نہیں ہے۔

داخل میں حقیقت ایک ہے جب کہ خارج میں قیاس آرائی ہے! محقق قیاس آرائی میں گھرا ہوا ہے۔ ہر نئے دور میں شاہانہ یادگاریں تعمیر ہوتی ہیں اور تختِ جمشید، فراعینِ مصر، محلاتِ پیٹرا اور تعمیراتِ بابل ونینوا کی طرح آثارِ قدیمہ بن جاتی ہیں۔

”غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے، حتیٰ کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔“ (التکاثر: ۱۔۲)

داخلی سوچ نے جس رمز کو منکشف کرنے کی ترغیب دی، مٹی کے اسیر آدمی نے اسے مٹی میں تلاش کیا۔اس کے مشاہدات و تجربات کی ساری سمجھ بوجھ مٹی کے عناصر سے مرکب ہے۔آدمی نے آدمی سے رابطے کے لئے فی زمانہ ریت کے ذرّات (سلیکان) کا سہارا لیا۔ ریت کے یہ ذرّات خلا میں مخصوص جال کی شکل میں بنائے جاتے ہیں جن میں بہت ساری روشنیاں بہتی ہیں۔اسے کمپیوٹر چِپ کا نام دیا گیا ہے۔

ایسی ہی چِپ سے موبائل فون مرکب ہے جس کے ذریعے دنیا کے انتہائی کناروں پر موجود افراد میں صوتی وبصری رابطہ لمحوں میں ہوجاتا ہے۔داخلی سوچ کی ترغیب سے آدمی کی خواہشات، ایجادات کی شکل میں مظہر بن رہی ہیں۔

مٹی بھی احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔

فرمان ربانی ہے،

''ہم نے حدید* نازل کیا جس میں لوگوں کے لئے بے پناہ فائدے ہیں۔'' (الحدید: ۲۵)

جدید طرز زندگی میں انٹرنیٹ کا کردار اہم ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے جہاں سانس لینا اور کھانا پینا ضروری ہے، وہاں بیش تر معاشرتی، معاشی اور تعلیمی سرگرمیاں انٹرنیٹ کے بغیر ناممکن ہیں۔انٹرنیٹ خیالات کی دنیا ہے جہاں سوچ، سوچ سے مخاطب ہے۔علیک سلیک ایک سوچ سے دوسری سوچ تک لمحوں میں ہوتی ہے۔اطلاع سیکنڈ سے کم وقفے میں پہنچ جاتی ہے۔

موجودہ دور میں تقاضوں کو کسی نہ کسی طرح انٹرنیٹ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ تقاضے کا ابھرنا سوچ ہے اور تقاضوں کو وسائل مہیا کرنے والی ایجنسی سوچ ہے۔

انٹرنیٹ کی خیالی دنیا یا سائبر ورلڈ، جسم سے بے نیاز لاتعداد سوچوں کی دنیا ہے۔روایتی حواس وہاں ساکت ہیں۔آنکھ، کان، زبان، لمس اور شامّہ کا ذکر نہیں— بس تاریک خلا ہے اور خلا میں سوچ پر پے در پے وارد ہونے والی متحرک شبیہیں ہیں۔سائبر ورلڈ میں سوچ کسی اور سوچ میں محو ہے۔قارئین خواتین وحضرات! تفکر کریں کہ کیا آدمی کی اس خیالی دنیا کی وسعت کا کوئی شمار ہے—؟

کائنات کی وسعت کے بارے میں رب العالمین اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

۱۔ سو بڑا برکت والا ہے اللہ جو تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق ہے۔ (المؤمنون: ۱۴)

۲۔ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین میں، نہ آسمانوں میں۔ (ابراھیم: ۳۸)

۳۔ زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر کا پانی سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی ہو جائیں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (لقمٰن: ۲۷)

سورہ لقمٰن کی آیت میں دو اسمائے الٰہی ''العزیز'' اور ''الحکیم'' کی فعالیت پر غور کرنے سے کائناتی پروگرام کی وسعت آشکار ہوتی ہے۔

سیاق کوئی بھی ہو، سوچ ہی تقاضا اور سوچ تسکین ہے۔سوچ — سوچ کی دوا ہے، کبھی میٹھی، کبھی کھٹی، کبھی ترش اور کبھی کسیلی! سوچ — سوچ سے ہم کلام ہے، سوچ — سوچ کی ہم نشین، ہم سفر اور راز دان ہے۔

سوچ — سوچ کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔

سوچ — سوچ سے ڈر جاتی ہے۔

سوچ — سوچ سے یقین حاصل کرتی ہے۔

سوچ — سوچ میں وسوسے پیدا کرتی ہے۔

سوچ — سوچ پر قہر بن کر ٹوٹ پڑتی ہے۔

سوچ — سوچ کو سرشار کر دیتی ہے۔

اور سوچ مایوس بھی کر دیتی ہے۔

---

* حدید (لوہا)

جیسا کہ فی زمانہ کرونا وائرس سے متعلق سوشل میڈیا کی مایوس سوچوں کے گرد وغبار میں آدمی سہم گیا ہے ۔ جسم سوچ سے مرتب ہونے والی کیفیات سے متاثر ہوتا ہے۔ گوکہ تمام کیفیات سوچ ہیں مگر سوچ کا وجود نظر نہیں آتا تاہم اس کی موجودگی اور طاقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

سوچ — سوچ سے مل کر تمام آثار و احوال سے گزرتی ہے۔ اثرات جسم پر نظر آتے ہیں ۔ انٹرنیٹ کی دنیا میں مادی جسم متحرک نظر نہیں آتا ، صرف سوچ کی کارفرمائی ہے جس کے تقاضے اور اثرات جسم میں پیدا اور ظاہر ہوتے ہیں۔

عام دنیا میں ان سوچوں کے حامل اجسام کو ہم ماں باپ، بھائی بہن، استاد شاگرد، دکان دار خریدار، معالج مریض اور تحقیق محقق وغیرہ کے نام سے جانتے ہیں۔ دراصل تقاضوں کا تعلق سوچ سے ہے جب کہ جسم کے ساتھ متعلقہ مادی وسائل کی حیثیت ثانوی ہے۔ کسی بھی شعبۂ زندگی پر نظر ڈالیں، تقاضے اور سوچ کے دو مراحل ہیں۔

- پہلے داخل میں وارد ہونے والی سوچ
- بعد ازاں خارج میں حرکت بہ وسائل

موازنہ کیا جائے تو سوچ کی رفتار زیادہ ہے۔ کچھ ایسا ہی انٹرنیٹ کی دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ اے ٹی ایم سے پیسے نکالنا، جمع کرنا، کسی کے اکاؤنٹ میں پیسے منتقل کرنا، چیک جمع کروانا یا بینک کے معاملات آن لائن طے کرنا۔ تمام طرزوں میں صارف کی سوچ انٹرنیٹ کے ذریعے بینک میں کمپیوٹر کی دنیا میں داخل ہوتی ہے، ایسی دنیا جہاں کیشیر ہے نہ منیجر، ٹوکن ہے نہ قطار اور انتظار — فقط انتہائی تیز رفتار سوچ 24 گھنٹے ہمہ وقت ہماری سوچ کا انتظار کرتی ہے۔ جیسے ہی ہماری سوچ اپنی احتیاج سامنے رکھتی ہے، لمحوں میں کمپیوٹر کی سوچ اسے خوش اسلوبی سے انجام دے دیتی ہے۔

ٹیکنالوجی میں آرٹیفیشل انٹیلی جنس (AI) یعنی مصنوعی ذہانت کا استعمال وسیع ہے۔ اس کی مدد سے کمپیوٹر کے پروگرام میں فیڈ کی گئی سوچ راہ نما کا کردار ادا کرتی ہے۔ مثلاً ضرورت کے مطابق بینکاری کی سہولیات کی فہرست سامنے رکھ دیتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ذہن آسان اور مفید آپشن کو ابتدا میں نظر انداز کردیتا ہے۔ AI کمپیوٹر یا موبائل فون تمام صارفین کی یکساں ضروریات سے سیکھتا ہے اور حافظے میں محفوظ کرلیتا ہے۔ پھر اسی کے مطابق ممکنہ معلومات جمع کرتا ہے۔ اب اسکرین پر متعلقہ آپشن آتے ہیں تو ہم بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ میں یہی چاہ رہا تھا۔

آرٹیفیشل انٹیلی جنس کے تحت کمپیوٹر بینکاری، صارفین کی گزشتہ تمام معلومات یاد رکھتی ہے۔ جب ہم بینک کی جانب سے دی گئی سہولت سے دوبارہ فائدہ اٹھانا چاہیں تو پرانے اکاؤنٹ نمبر اور بینک کی شاخ کا

پتہ لکھنے کے لئے یادداشت یا کاغذ کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ AI کمپیوٹر ہم سے چند معلومات لیتا ہے اور فوری طور پر ضرورت پوری کرتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ AI کمپیوٹر کی سوچ کا ماخذ کیا ہے ــــ؟ جی ہاں۔ آدمی!

فرق یہ ہے کہ صارف کی سوچ انفرادی ضروریات تک محدود ہے جب کہ بینک کا AI کمپیوٹر، بینکاری نظام کی کُل سوچ ہے۔ یعنی بینکاری نظام سے متعلق گہری سوجھ بوجھ رکھنے والے ماہرین کی سوچوں کا مجموعہ جس کی وسعت دنیا میں تمام بینکوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

کرونا کے وبائی اثرات سے نمٹنے کے لئے بہت سی سرگرمیاں انٹرنیٹ کی مدد سے انجام پا رہی ہیں۔ عوامی اجتماع کی حوصلہ شکنی کے لئے انٹرنیٹ کی خیالی دنیا کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت کے لئے بند ہیں۔ گھر میں محدود ہونے سے نفسیاتی طور پر تعطل واقع ہوا ہے جو مایوسی، بے یقینی، بے چینی اور نفسیاتی امراض کی شکل میں رونما ہو رہا ہے۔ بڑی وجہ آدمی کی مشینی دنیا سے چپک ہے۔ کسی بھی پہلو سے قانونِ فطرت توڑنے والی نوع فطرت کے یکجائی پروگرام میں اپنی بقا کو خطرے میں ڈال دیتی ہے۔ غفلت اس قدر ہے کہ زندگی میں توازن کے لئے وہ دیگر طرزوں سے لاعلم ہے۔

تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے انٹرنیٹ کی خیالی دنیا یا سائبر ورلڈ کا بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔

دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں ہے جس میں تحقیق، تجسس، تلاش اور گہرائی نہ ہو۔ جیسے جیسے ہم کسی علم کے اندر تفکر کرتے ہیں اسی مناسبت سے اس علم میں نئے نئے نکتے نظر آتے ہیں۔ جب ہم ان نکات پر زیادہ گہری نظر سے تفکر کرتے ہیں تو علم کی بے شمار شاخیں بن جاتی ہیں۔ جس علم کی ریسرچ میں جتنے زیادہ باہوش دماغ شامل ہوتے ہیں وہ علم اسی مناسبت سے ترقی کرتا ہے اور مبسوط علم بن جاتا ہے۔

کلاس کے نظام الاوقات کے مطابق طالب علم انٹرنیٹ کی دنیا میں داخل ہوتا ہے جہاں اس کے ہم جماعت کلاس میں موجود ہوتے ہیں۔ استاد وائٹ بورڈ پر ڈیجیٹل چاک یا قلم (اسٹائیلس) سے لکھتا ہے، مختلف رنگوں سے ڈایا گرام بناتا ہے، اس دوران طالبات و طلبا سے سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

اسی طرح کوئز، اسائنمنٹ، کلاس ورک، ہوم ورک اور فائنل امتحانات کا انعقاد بھی ہو رہا ہے۔

سوچ ــــ سوچ میں جذب ہو کر علم سیکھتی ہے۔ ایک سوچ پڑھاتی ہے جب کہ سینکڑوں سوچیں پڑھتی ہیں۔ سزا دینی ہو تو انٹرنیٹ کی دنیا میں کوئی استاد شاگرد کو مرغا بنا سکتا ہے نہ چھڑی سے پیٹ سکتا ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ سزا دینے کے لئے جسمانی ایذا پہنچانا ممکن نہیں۔ سوچ کی تکلیف، جسم کی تکلیف سے زیادہ ہے۔ (قسط: ۱)

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبر شپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ و طالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

بلال حسن

غیبت کا فلسفہ

حیرت ہے کہ تم اس کے گناہ سے آگاہ ہو گئے کہ وہ حسد کرتا ہے لیکن اپنے بارے میں نہیں سوچا کہ تم بھی غیبت کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس نے حسد سے دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنایا ہے تو دوسرے راستے سے تم بھی وہیں پہنچ رہے ہو۔

اچھائی اور برائی کا پیمانہ تبدیل نہیں ہوتا نہ حالات کے بدلنے سے خیر و شر کا معیار بدلتا ہے۔ خواہ کوئی زمانہ ہو، سچ بولنا نیکی اور جھوٹ برائی ہے۔ انصاف ترقی اور ناانصافی تباہی ہے۔ ہمدردی بھلائی اور بے حسی برائی ہے۔ اخلاق کا معیار امتدادِ زمانہ کے باوجود تبدیل نہیں ہوتا۔ تخلیقِ کائنات کے بارے میں فرمان الٰہی ہے،

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں، برحق اور مدت خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' (الاحقاف: ۳)

حق کا مفہوم وسیع ہے — ایسا عمل جو ہر سمت میں متوازن اور غیر جانب دار ہو اور اپنے مرکز پر قائم رہے، اس کا رخ مشرق کی طرف ہو نہ مغرب کی طرف، شمال کی طرف ہو نہ جنوب کی طرف بلکہ ہر سمت میں یکساں ہو۔ راندۂ درگاہ ایک مخلوق شیطان کی انسپائریشن کے تابع ہو کر آدمی نے قدرت کے نظام میں مداخلت کی اور اپنے مفاد کے تحت غیر جانب دار افعال کو اچھائی اور برائی میں تقسیم کر دیا۔

اللہ کا نظام غیر جانب دار ہے۔ انبیائے کرام نے فرمایا کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرو کہ یہی درحقیقت اچھائی یعنی غیر جانب داری ہے۔ اللہ عدل و انصاف کرنے والا ہے، وہ بے نیاز ہے، امیر اور غریب میں فرق نہیں کرتا۔ سب اس کی مخلوق ہیں اور وہ سب کا خالق ہے۔

حضرت یونسؑ جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ انہوں نے ایک موقع پر اللہ کے حکم کا انتظار نہیں کیا اور مچھلی کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت یونسؑ نے معافی مانگی، اللہ نے معاف کر دیا۔ اللہ کا نظام سب کے لئے ایک ہے۔

اللہ کے محبوب آخری رسول حضرت محمدؐ کے پاس قبیلہ بنو مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ بنت اسود ابن الاسد کی چوری کا مقدمہ آیا۔ جرم ثابت ہونے پر قانون کے مطابق حد نافذ ہوئی۔ بنو مخزوم قریش کے معزز قبائل میں سے تھا۔ قبیلے والوں کو تشویش تھی کہ سزا پر عمل درآمد ہو گیا تو بدنامی ہوگی۔ وہ سفارش کے لئے ایسے

شخص کی تلاش میں تھے جو رسول اللہؐ کو بہت پیارا ہو۔ چناں چہ حضرت زید بن حارثہؓ کے فرزند حضرت اسامہ سے مدد چاہی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بنو مخزوم کو پریشان دیکھ کر ہامی بھر لی۔

جب رسول کریمؐ سے عرض کیا تو رسول اللہؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپؐ نے فرمایا،

''تم مجھ سے اللہ کی قائم کی ہوئی ایک حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟''

غلطی کا احساس ہوتے ہی حضرت اسامہؓ نے معافی مانگی۔ اس روز صحابہ کرام سے خطاب میں اللہ کے رسول حضرت محمدؐ نے فرمایا،

''تم میں سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوگئے کہ اگر ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی کم زور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو اس کے لئے بھی یہی سزا ہے۔''

اچھائی اور برائی آدمی کے بنائے ہوئے پیمانے ہیں۔ الہامی کتب میں غیر جانب داری کا حکم ہے یعنی جو اللہ کا حکم ہے وہی خیر ہے، وہی اچھائی ہے، وہی انصاف ہے، وہی روشنی ہے اور وہی علم ہے۔ اس کے برخلاف عمل برائی اور شیطنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ حکم میں حکمت پر غور کریں۔ سچ بولنے کے معنی طرف داری سے پرہیز کرنا ہے۔ اس سے بڑھ کر احسن عمل کیا ہوسکتا ہے کہ بندہ اپنے مفاد کے بجائے غیر جانب دار ہو کر حق کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔

اسی طرح حکم ہے کہ جھوٹ مت بولو۔ جھوٹ وہ عمل ہے جس میں اپنی یا دوسروں کی طرف داری ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ بندہ غیر جانب دار ہو کیوں کہ اس وصف کے بغیر وہ اللہ کا نہیں ہوسکتا۔

یونان ایک وقت میں علم و تہذیب کا مرکز تھا۔ اچھائی اور برائی کے حوالے سے یونانی فلسفی دمقراطیس کہتا ہے،

''دنیا کی ہر چیز ناقابلِ تقسیم ذرّات سے بنی ہے۔ زندگی کا مقصد مسرت ہے۔ انسان کو ہر حال میں مسرت تلاش کرنی چاہئے لیکن یہ مسرت جسمانی یا دنیاوی اشیا پر منحصر نہ ہو بلکہ روحانی ہو۔ دنیاوی چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں، انہیں ثبات و قیام نہیں، ان سے حاصل ہونے والی مسرت عارضی اور دھوکا ہے۔ اچھائی اختیار کرو تاکہ حقیقی مسرت حاصل ہو۔''

تمہید میں تین نکات کی وضاحت ہے۔

۱۔ غیر جانب داری — اللہ کے حکم کی تعمیل

۲۔ آدمی کا بنایا ہوا اچھائی کا پیمانہ

۳۔ آدمی کا بنایا ہوا برائی کا پیمانہ

حکم ایک ہے، طرزِ نظر مختلف ہے۔ کمرے کا تصور کریں۔ وہاں ایک میز رکھی ہے۔ میز پر دو رنگوں سے رنگین بوتل ہے۔ دو افراد کمرے میں داخل ہوتے ہیں

اور آمنے سامنے کھڑے ہو کر بوتل دیکھتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ بوتل سرخ ہے، دوسرا بضد ہے کہ رنگ زرد ہے۔ مقام کے اعتبار سے دونوں کا جواب درست مگر حال کے اعتبار سے غلط ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ جس مقام پر کھڑے ہو کر دونوں دیکھ رہے ہیں، وہ مقام ان کو بوتل کا آدھا رخ دکھا رہا ہے۔ ہر مقام ایک زاویہ ہے۔ بندہ خود دیکھنے کے بجائے جس مقام (زاویے) پر ہے وہاں سے دیکھ رہا ہے یعنی جس نے جو دیکھا اور دیکھ کر جو کچھ سمجھا، وہ اُس کا مقام ہے۔

دونوں اشخاص نے بوتل کو اپنے مقام سے دیکھا۔ جب وہ اسے بوتل کے مقام سے دیکھیں گے تو جواب اور لیکن — درست ہو گا کیوں کہ اب مقام کی تفریق ختم ہو گئی ہے اور دونوں شے کو شے کے مقام سے دیکھ رہے ہیں۔ انفرادی سوچ اور مقام کے مطابق چیزیں دیکھنے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ہم آدمی ہیں اور شیشے سے بنی ہوئی بوتل شیشہ ہے۔ آدمی شیشے کو اپنے پیمانے سے کیسے دیکھ اور سمجھ سکتا ہے جب کہ شیشے کی مقداریں الگ ہیں؟ طریقہ ایک ہے کہ شیشے کو دیکھنے کے لئے شیشہ اور آدمی کو دیکھنے کے لئے آدمی بن جاؤ!

حضرت ذہین شاہ تاجیؒ فرماتے ہیں،

جی چاہے تو شیشہ بن جا جی چاہے پیمانہ بن جا
شیشہ پیمانہ کیا بننا مے بن جا مے خانہ بن جا
مے بن کر مے خانہ بن کر مستی کا افسانہ بن جا
مستی کا افسانہ بن کر ہستی سے بیگانہ بن جا
ہستی سے بیگانہ ہونا مستی کا افسانہ بننا
اس ہونے سے اس بننے سے اچھا ہے دیوانہ بن جا
دیوانہ بن جانے سے بھی دیوانہ ہونا اچھا ہے
دیوانہ ہونے سے اچھا خاک در جانانہ بن جا
خاک در جانانہ کیا ہے اہل دل کی آنکھ کا سرمہ
شمع کے دل کی ٹھنڈک بن جا نورِ دل پروانہ بن جا
سیکھ ذہینؔ کے دل سے جلنا کاہے کو ہر شمع پہ جلنا
اپنی آگ میں خود جل جائے تو ایسا پروانہ بن جا

اس کلام میں ایک کے بعد ایک اعلیٰ مقام بیان ہوا ہے۔ ذکر شیشے سے شروع ہوا اور لفظ بہ لفظ پروانے تک پہنچ گیا۔ جس آگ کو پروانہ شمع میں ڈھونڈتا ہے وہ تو اس کے اندر موجود ہے۔ مقصد یہ ہے کہ باہر تلاش کرنے کے بجائے اپنے اندر ضم ہو جا کہ 'حقیقت' تجھ سے رگِ جان سے زیادہ قریب ہے۔

محاورہ ہے — پہلے تو لو پھر بولو۔

محاورے ادبی صنف ہیں اور ادب حفظِ مراتب سکھاتا ہے۔ اس محاورے میں کئی اشارے ہیں۔

۱۔ اپنا ادب کرو۔ ۲۔ مخاطب کا لحاظ رکھو۔
۳۔ الفاظ بے وقعت نہ ہوں۔ ۴۔ سوچ پر گہری نظر رکھو۔ ۵۔ ہر حال میں ادب ملحوظ خاطر رہے۔

آدمی اپنے مقام سے گرے نہ بساط سے بڑھ کر بات کرے — ہر لفظ متوازن ہو۔ ذہن تفکر پر قائم ہونے سے لفظوں میں علم کے موتی ملتے ہیں ورنہ محاورے بولنے سے اگرچہ زبان خوب صورت ہو جاتی ہے لیکن

سوچ تبدیل نہیں ہوتی۔

شیخ سعدی کی محفل میں ایک شخص خاموش بیٹھا تھا۔ فرمایا، کوئی بات کرو تا کہ معلوم ہو کہ تم کون ہو۔

اچھے استاد میسر ہوں تو بچہ بچپن میں زندگی کے بڑے بڑے سبق سیکھ لیتا ہے۔ شیخ سعدی کے زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ پڑھا جس میں مقامات کے اختلاف کا سوچ پر اثر بیان ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

''جس زمانے میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھتا تھا، محسوس کیا کہ ایک ہم مکتب حسنِ بیان اور نکتہ آفرینی کے باعث مجھ سے حسد کرتا ہے۔ یہ بات مجھے پریشان کرنے لگی۔ ایک دن میں نے استاد محترم سے عرض کیا، میں فلاں ہم مکتب کی وجہ سے پریشان ہوں۔ محترم استاد نے پوچھا، خیریت! اس نے ایسا کیا کر دیا؟ عرض کیا، وہ میری قابلیت کی وجہ سے مجھ سے حسد کرتا ہے۔ استاد محترم کو بات ناگوار گزری۔ انہوں نے خفگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا، سعدی! حیرت ہے کہ تم اس کے گناہ سے آگاہ ہو گئے کہ وہ حسد کرتا ہے لیکن اپنے بارے میں نہیں سوچا کہ تم بھی غیبت کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس نے حسد سے دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنایا ہے تو دوسرے راستے سے تم بھی وہیں پہنچ رہے ہو۔''

آدمی اپنے مقام کے مطابق دیکھتا، سوچتا اور الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ بچپن سے بڑھاپے تک راستے میں ان گنت مناظر ہیں۔ سبزہ زار سے گزرہو تو آدمی سمجھتا ہے کہ دنیا گلستان ہے۔ ریگستان میں پہنچے تو کہتا ہے کہ دنیا ویرانہ ہے۔ ریگستان میں نخلستان نظر آنے سے رائے ایک بار پھر تبدیل ہو جاتی ہے۔ دراصل وہ جس جگہ سے دنیا کو دیکھ رہا ہے، وہ جگہ اس کے ذہن پر غالب ہو گئی ہے ایسے میں وہ خود نہیں دیکھ رہا، جگہ کے اعتبار سے معنی پہنا رہا ہے۔ یہی حال عمر کے ادوار کا ہے۔ جوانی میں مقرر کا اندازِ بیاں اور ہے، پختہ عمری اور بڑھاپے میں لہجے میں اتار چڑھاؤ بدل جاتا ہے۔ جوانی میں آواز تیز اور پُرجوش ہوتی ہے، نشیب وفراز سے گزر کر جب ردعمل کم سے کم ہو جاتا ہے تو آواز میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ مزاج میں تبدیلی لہجے سے ظاہر ہوتی ہے اور گفتگو بتا دیتی ہے کہ یہ بندہ کتنا خاموش رہتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں،

''جو چیز منہ میں جاتی ہے، وہ آدمی کو ناپاک نہیں کرتی مگر جو منہ سے نکلتی ہے، وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہے۔''

قول میں مقام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ الفاظ سوچ سے تشکیل پاتے ہیں اور پہچان بن جاتے ہیں۔

کوئی چیز اچھی یا بری نہیں — اپنی فطرت پر قائم ہے اور فطرت تبدیلی سے مبرّا، غیر جانب دار ہے۔

آدمی جس مقام سے دیکھتا ہے، اس کے مطابق بیان کرتا ہے۔ انفرادی مقام کے برعکس شے کو شے کے مقام سے دیکھنے سے مفروضہ پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں۔

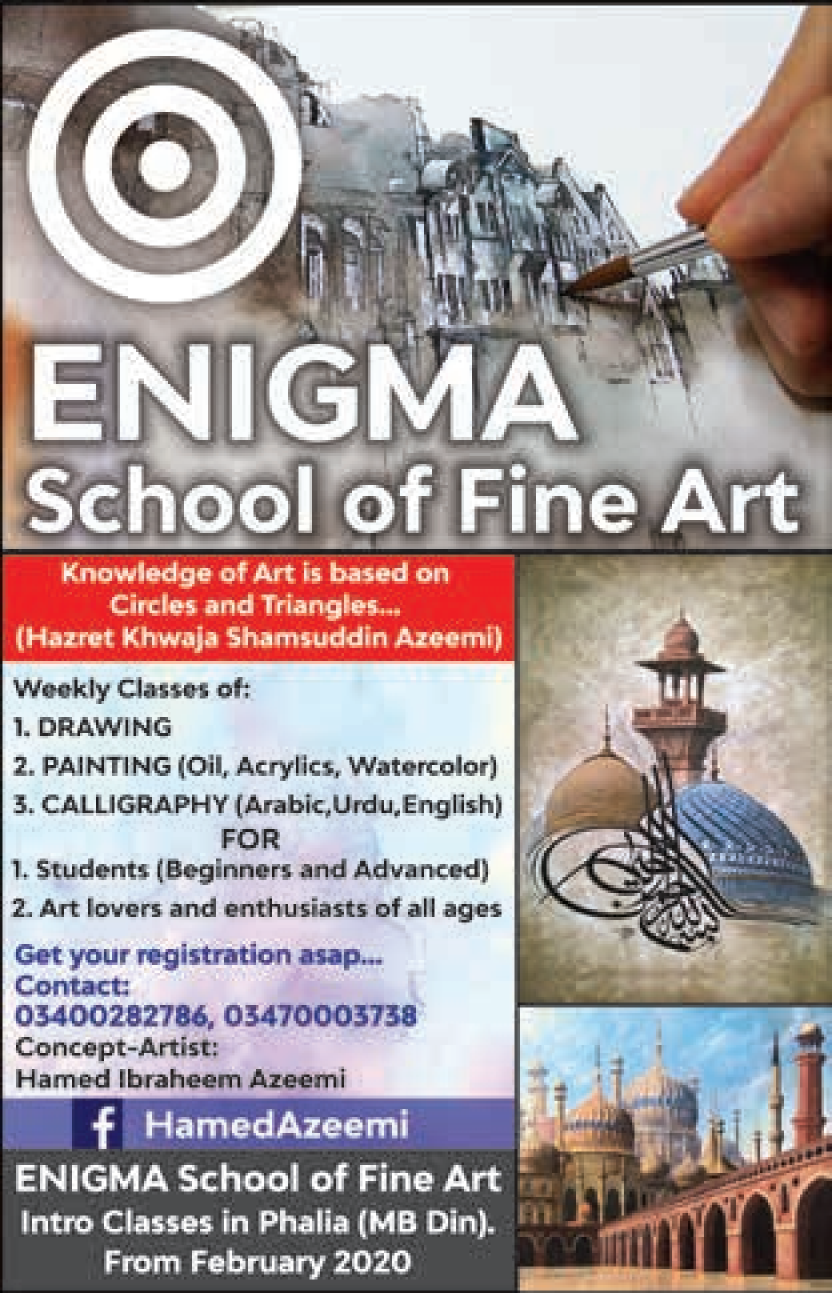
ENIGMA
School of Fine Art
Knowledge of Art is based on
Circles and Triangles...
(Hazret Khwaja Shamsuddin Azeemi)
Weekly Classes of:
1. DRAWING
2. PAINTING (Oil, Acrylics, Watercolor)
3. CALLIGRAPHY (Arabic,Urdu,English)
FOR
1. Students (Beginners and Advanced)
2. Art lovers and enthusiasts of all ages
Get your registration asap...
Contact:
03400282786, 03470003738
Concept-Artist:
Hamed Ibraheem Azeemi
f HamedAzeemi
ENIGMA School of Fine Art
Intro Classes in Phalia (MB Din).
From February 2020

زیر سرپرستی
اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

فری ممبرشپ — جنڈ، اٹک

ذہنی سکون حاصل کرنے اور فکر کی آبیاری کے لئے۔
مطالعہ کی عادت اپنائیں....

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ و طالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب
حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

سادہ غذا

منظور علی (لاہور): دس مہینے پہلے اعصابی کمزوری اور ڈپریشن میں مبتلا تھا۔نیند نہیں آتی تھی۔ پھر علاج سے بہتری آئی۔ اب صبح جاگتا ہوں تو آنکھوں کے نیچے سوجن ہوتی ہے۔بعض دفعہ دائیں آنکھ کے نیچے سوجن زیادہ اور بائیں آنکھ کے نیچے کم ہوتی ہے۔جگر، گردے اور شوگر کے ٹیسٹ نارمل ہیں البتہ معدے کی وجہ سے صبح زبان پر میل جمی ہوتی ہے۔میں انگریزی دوائیاں نہیں کھانا چاہتا۔

جواب: مرض کا سبب یہ ہے کہ آپ کے کھانے میں بے احتیاطی بہت ہے۔کھانا وقت پر کھائیں۔تلی ہوئی، بھاری، کھٹی، مرچ مسالے اور تیزابیت پیدا کرنے والی غذاؤں سے پرہیز کریں۔سب سے عمدہ غذا سادہ غذا ہے۔کھانا بھوک رکھ کر کھانا چاہیئے۔ رات کا کھانا آٹھ بجے تک کھالیں۔صبح جاگنے کے بعد نہار منہ ایک گلاس سادہ پانی یہ تصور کر کے پیئیں کہ پانی میں زرد رنگ شامل ہے۔ یہ تصور صرف نہار منہ ایک مرتبہ دو ماہ تک کرنا ہے۔پیٹ کی صفائی کے لئے ضروری ہے کہ رات کو سونے سے پہلے ایک چمچہ خالص زیتون کا تیل دودھ میں ملا کر پیئیں۔ پرہیز کے ساتھ عمل کرنے سے شفا ملے گی،انشاءاللہ۔

چھوٹا گھر — بڑا کنبہ

(نام شائع نہ کیا جائے) کراچی: جو لوگ کماتے نہیں، ان کی ضروریات وقت پر پوری نہ ہوں تو ہنگامہ ہو جاتا ہے۔سسر کا گھر چھوٹا ہے اور جگہ جگہ سے ٹوٹ رہا ہے مگر کوئی نئے سرے سے بنوانے یا دوسرا لینے کو تیار نہیں۔گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑا، بیماریاں، شک، ٹوہ میں رہنا اور عدم تحفظ کا احساس ہے۔ بنتے کام بگڑ جاتے ہیں۔ بچے نافرمان ہیں۔ چند افراد وظائف کے شوق میں اپنا علم دوسروں پر آزماتے ہیں اور نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہیں۔مہربانی فرما کر مسئلے کا حل بتائیں تاکہ زندگی پُرسکون اور خوش حال ہو جائے۔

جواب: ذہنی خلفشار سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ صورت حال تبدیل کی جائے اور مقام تبدیل

کردیا جائے۔ کوئی ایک آدمی سب کی اصلاح نہیں کرسکتا جب کہ کوئی اس کی بات بھی نہ سنے۔ حقوق العباد میں شادی کے بعد رفیقۂ حیات کے چاہنے پر رہائش الگ ہونی چاہیئے۔ اخراجات کے معاملے میں آپ کو چاہیئے کہ آپ شوہر کے ساتھ تعاون کریں۔ الحمدللہ آپ کے اندر صلاحیت موجود ہے۔

سنی سنائی باتیں

امینہ بی بی (لاہور): میرا وقت غیر ضروری باتوں میں ضائع ہوتا ہے۔ ادھر ادھر کی سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے خود کو بے سکون کرلیتی ہوں۔ عادت پختہ ہوچکی ہے، میں اس سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔

جواب: معیاری سفید کاغذ لے کر اس پر گہری کالی پنسل سے لائنیں بنایئے اور لکیروں کے درمیان 11 مرتبہ اپنا نام لکھئے۔ رات کو تکیے کے نیچے رکھ کر سو جایئے۔ چلتے پھرتے یہ تصور کیجئے کہ آسمان پر جگمگ کرتے ستارے ہیں۔ یہ تصور دن میں کرنا ہے۔

سات رنگ

افشاں کنول (کراچی): بیٹا پیدائش کے بعد سے مسلسل بیمار رہتا ہے۔ کئی بار اسپتال میں داخل کیا ہے۔ ٹھنڈ سے بہت جلدی متاثر ہوتا ہے۔ گلا اور سینہ خراب رہنے سے کھانسی، بخار اور نزلہ شدید ہو جاتا ہے۔ سانس پھولنے، بھوک اور پیٹ میں درد کی بھی شکایت ہے۔ اینٹی بائیوٹک کے علاوہ کوئی دوا اثر نہیں کرتی۔ اینٹی بائیوٹک سے افاقہ نہیں ہوتا تو اسپتال میں داخل کرانا پڑتا ہے۔ بستر میں پیشاب بھی کرتا ہے۔ ایسا علاج بتائیں کہ بچے کو تکلیف سے نجات مل جائے۔

جواب: سات رنگوں کے الگ الگ کپڑے کے ٹکڑے لیں۔ ٹکڑے 3 x 3 انچ ہوں۔ مختلف رنگ ٹکڑوں کو سیدھی لائن میں رکھ دیں۔ بچے سے کہیں کہ اس میں سے ایک رنگ کا ٹکڑا اٹھا لے۔ مثلاً اگر وہ سرخ رنگ پر انگلی رکھتا ہے، اس رنگ کو الگ کرلیں، اب سرخ رنگ کے ایک سائز کے (3x3) سات ٹکڑے کاٹ کر قطار میں رکھیں اور فریم کروالیں۔ فریم ایسی جگہ رکھیں یا لٹکائیں کہ بچے کی نظر بار بار فریم میں منتخب رنگ پر پڑے۔ بات کرتے وقت احتیاط کرنی ہے کہ بچہ ایسی نشست سے بیٹھے کہ اسے فریم نظر آئے۔ وہ فریم ارادتاً بھی دیکھے۔

رات کو سونے سے پہلے اور صبح نہار منہ خالص سرسوں کے تیل سے ناف کے چاروں طرف 10 منٹ تک اینٹی کلاک وائز مالش کی جائے۔ مالش کرتے ہوئے احتیاط کریں کہ انگلیوں اور ہتھیلیوں کے درمیان جو گوشت کا ابھار ہے اس سے مالش کریں۔

کھانوں میں احتیاط ضروری ہے۔ کھانا چکنا نہ ہو۔ سادہ سالن پکا کر کھانے میں استعمال ہونے والا خالص زیتون کا تیل ایک ٹی اسپون ڈال دیں اور بچے کو یہ کھانا کھلائیں۔ فریج میں رکھے ہوئے کھانوں سے پرہیز کریں۔ AC کی ہوا سے بچائیں۔ 21 روز کے بعد حالات سے مطلع کریں۔ ڈاکٹری علاج جاری رکھیں۔

خوش خط کاتب

ت۔ت (کراچی): بچپن لڑائی جھگڑے، بے یقینی اور خوف کے ماحول میں گزرا۔ اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔ شک اور وسوسے ہیں جو خواب میں عکس بن جاتے ہیں اور دن حزن و ملال میں گزرتا ہے۔ میں اللہ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے خوف اور غم سے نجات دلائیں۔ قرآن اور نماز پابندی سے پڑھنے کے علاوہ درود پاکؐ کا ورد کرتی ہوں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ خوش خط کاتب سے لکھوا کر جس کمرے میں آپ سوتی ہیں، اس کمرے کی چاروں دیواروں پر فریم کروا کے لگالیں۔ ارادتاً بھی اس تحریر کو پڑھیں۔ آنکھیں بند کر کے تصور کریں کہ آسمان پر ہر طرف چمکتے دمکتے ستارے ہیں۔ پہلے ہفتے تین منٹ، دوسرے ہفتے پانچ منٹ اور تیسرے ہفتے آٹھ منٹ دیکھیں۔ یہ دیکھنا بند آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ اس کے بعد بات کئے بغیر خیال کرتے ہوئے سو جائیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ بازار کی چیزیں نہ کھائیں۔ اگر بلڈ پریشر low نہ ہو تو نمک سے مکمل پرہیز کریں۔ ایک مہینے کے بعد حالات سے مطلع کریں۔

زمین

طاہرہ عدنان (گجرات): نیند کے دوران سیدھے پیر میں درد ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کھچاؤ پیدا ہونے سے پیر پلنگ کی لکڑی پر لگتا ہے اور آنکھ کھل جاتی ہے۔ پھر دو تین دن پیر میں درد رہتا ہے۔ کبھی کبھار جسم میں

ماہنامہ قلندر شعور جولائی 2020ء

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

اماں کا نام : .... سائل کا نام: ....

تاریخ اور وقت پیدائش : .... تعلیم: .... ازدواجی حیثیت: ....

جاگنے کا دورانیہ : .... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: ....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: .... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: ....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن : .... دستخط : ....

خط و کتابت کا پتہ : ....

رابطہ نمبر: ....

حرکت نہیں ہوتی، میں آوازیں دیتی ہوں مگر کوئی نہیں سنتا۔کلمہ پڑھنا شروع کردیتی ہوں۔

جواب: آپ رات کو تخت یا پلنگ کے بجائے زمین پر سویا کریں۔سوتے وقت خیال رہے کہ کروٹ سیدھی ہوتا کہ دل پر کسی قسم کا دباؤ نہ پڑے۔سوتے وقت بند آنکھوں سے آسمان کا تصور کریں۔آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں، اس تصور میں سوجائیں۔اللہ کے حکم سے فائدہ ہوگا، انشاءاللہ۔

پیدل سیر

محمد اعظم شاہ (خوشاب): سخت مزاج افسر سے بات کرنی ہو یا پانچ چھ افراد کے سامنے اظہارِ خیال کرنا ہو— دل کی دھڑکن تیز اور ہاتھوں میں لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔مقابل میری گھبراہٹ محسوس کرلیتا ہے۔ بات بیان کرنے پر قدرت نہیں۔ہمیشہ جھکنا پڑتا ہے، حق پر ہونے کے باوجود اپنی بات نہیں منواسکتا۔موقع پر بات نہ کہنے کی وجہ سے کئی روز تک دل و دماغ پر یاسیت چھائی رہتی ہے۔اب بڑھتی عمر کی وجہ سے عارضۂ قلب کا خدشہ ہے۔

جواب: اس مرض کا ایک سبب نمکین چیزیں زیادہ کھانا ہے۔low بلڈ پریشر نہ ہوتو 21 روز کھانے میں نمک ترک کردیں۔اللہ تعالیٰ صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔21 روز کے بعد مطلع کریں کہ وہم میں کتنی کمی ہوئی ہے۔صبح سویرے فجر کی نماز کے بعد 30 منٹ تک پیدل سیر کریں۔قبض نہ ہو، اس کا بطور خاص اہتمام کریں۔

ظاہری بھائی—؟

مخلوق روح اور جسم دو رشتوں میں بندھی ہوئی ہے۔جسم کا رشتہ جسم کے ساتھ فنا ہوجاتا ہے، روح کا باقی رہتا ہے۔ روح کا رشتہ طرزِ فکر سے بنتا ہے اسی لئے روحانیت میں طرزِ فکر کی اہمیت ہے۔

بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے حقیقی بھائی، شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے ملنے ایک شخص آیا۔ بعد سلام عرض کیا، حضرت! نجیب الدین متوکل آپ ہیں—؟ شیخ نے جواب دیا، نجیب الدین میں ہی ہوں، متوکل کا نہیں پتہ۔ اس شخص نے کہا، مگر لوگ آپ کو اسی نام سے جانتے اور پکارتے ہیں۔

بھائی! لوگ کہتے ہیں۔میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔

آنے والے نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا، کیا شیخ فریدالدین گنج شکرؒ آپ کے بھائی ہیں؟

شیخ نجیب الدین متوکلؒ میں عجز و انکسار بھی بہت تھا۔

فرمایا— ظاہری بھائی تو میں ہی ہوں، باطنی بھائی کی خبر نہیں کہ کون ہوگا۔

سید اسد علی

ہمارے کتنے وجود ہیں؟

ڈھائی گھنٹے کی فلم میں ہیرو کی 70 سال کی زندگی گزر گئی۔ انہاک کی وجہ سے اتنی ہی زندگی میری بھی گزری۔ ہیرو کے انتقال پر احساس ہوا کہ میں بھی مرگیا ہوں۔ فلم ختم ہوتے ہی ہال میں لائٹ روشن ہوئی اور مجھے ہوش آیا کہ یہ افسانہ تھا۔ میں رنگین باغ میں نہیں، سنیما ہال میں بیٹھا تھا۔

زندگی کی کتاب کے اہم باب کو اکثریت کتابِ زندگی کا اختتام تصور کرتی ہے ۔ لوگ روز اس باب سے گزرتے ہیں اور مانوس ہوکر بھی نامانوس ہیں۔

حامد کے گھر سے بس اسٹاپ تک 10 منٹ کا فاصلہ تھا۔ درمیان میں آخری آرام گاہ آتی تھی جس کے برابر والی سڑک پر لڑکے کرکٹ کھیلتے تھے ۔ دیوار کے ساتھ جمعہ اور اتوار بازار لگتا تھا۔ لوگ دکانیں سجا کر آخری آرام گاہ کو نظرانداز کردیتے اور جھوٹ سچ بول کر چیزیں بیچتے تھے۔ کسی کو یاد نہیں تھا کہ جلد یا بدیر ہمیں بھی یہاں سکونت اختیار کرنی ہے۔ معاشرے میں مرنے کے بعد کی زندگی پر اتنی بے اعتباری ہے کہ اس کے متعلق سوچنا بھی گوارا نہیں۔

حامد سوچتا تھا کہ قبرستان میں مدفون افراد ہمارے جیسے آدمی ہیں جنہوں نے جذبات سے بھرپور زندگی گزاری ۔ چاہنے والوں کا خیال تھا کہ ساز و رنگ کی محفل ان کے بغیر ادھوری ہے۔ مگر ان کے جانے کے بعد بھی زندگی جاری رہی۔ نئے ساز اور نئے رنگ پیدا ہوگئے۔ جانے والے کہاں گئے اور آنے والے کہاں سے آئے؟ وہ دنیا میں آنے اور اسے چھوڑ کر جانے پر مجبور کیوں ہیں؟ یہاں سے جانا زندگی کا اختتام ہے یا موت نئی زندگی کا آغاز ہے؟

گھر میں لائبریری (کتب خانہ) بنائی تھی۔ ایک روز تھکن کی وجہ سے مطالعہ نہیں کرسکا۔ آدھی رات کو آنکھ کھلی تو سبز رنگ دیواریں نیلی نظر آئیں۔ حامد کا دیواروں پر نیلا رنگ کروانے کا ارادہ تھا۔

تعجب ہوا کہ راتوں رات رنگ نیلا کیسے ہوگیا۔ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا— ؟ بازو میں زور سے چٹکی بھری لیکن یہ خواب نہیں تھا۔

بھوک لگی ۔ وہ سیڑھیاں اتر کر باورچی خانے میں آیا۔ بلب جلایا۔ کھانا گرم کیا اور لائبریری میں آگیا۔

پلیٹ میز پر رکھ کر شیلف سے کتاب نکالی جو کئی دنوں سے زیر مطالعہ تھی۔ کھانا کھانے کے ساتھ کتاب بھی پڑھتا رہا۔ پلیٹ خالی ہوئی تو وہ کتاب کے صفحہ نمبر 110 پر تھا۔ نیند کے غلبے کی وجہ سے کتاب اور پلیٹ میز پر چھوڑ دی۔ لائٹ کھلی رہنے دی اور سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آ گیا۔ بستر پر نظر پڑتے ہی حیرت ہوئی جب اپنے ہم شکل کو سوتے ہوئے دیکھا۔ حامد میں ہوں پھر بستر پر کون ہے ـــ؟ وہ غیر ارادی طور پر بستر پر وجود کی طرف بڑھا اور اس میں سما گیا۔

حامد بیٹا! اٹھ جاؤ۔ چھٹی کا مطلب یہ نہیں کہ دیر تک سوتے رہو۔ خاصی دھوپ نکل آئی ہے۔ کیا سارا دن سوتے رہوگے؟ والدہ کی آواز سے آنکھ کھلی۔

خواب میں گزری ہوئی رات ذہن میں فلم بن گئی۔ زبان پر کھانے کا ذائقہ محسوس ہوا اور کتاب میں لکھی ہوئی تحریر حافظے میں روشن ہوگئی۔ سوچا کہ کیسا عجیب خواب تھا جس پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔

والدہ دوبارہ کمرے میں آئیں اور ناراضی سے کہا، تمہیں کیا ہو گیا ہے، آدھی رات کو کھانا کھا کر برتن لائبریری میں چھوڑ دیئے۔ کیا لائبریری کھانا کھانے کی جگہ ہے؟ لائٹ بھی بند نہیں کی۔ ایسی لاپروائی کب سے شروع ہوئی؟

حامد نے حیران ہوکر کہا، امی میں رات کو نہیں اٹھا البتہ خواب ضرور دیکھا ہے۔

والدہ بولیں، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟ ابھی برتن اٹھا کر آرہی ہوں اور لائٹ بند کی ہے۔ دیر تک جاگو گے تو یہی ہوگا۔ کچھ یاد نہیں رہے گا۔

حامد کو یقین نہیں آیا۔ ناشتا کر کے لائبریری میں آیا تو میز پر وہی کتاب رکھی ہوئی تھی جو خواب میں پڑھی تھی۔ کھول کر دیکھا، صفحہ نمبر 110 کا کاغذ مڑا ہوا تھا۔ پیشانی کو سہلاتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

کیا میں واقعی رات کو اٹھا تھا؟

کیا وہ سب خواب نہیں تھا؟

میں نے خواب میں خواب کو غیر حقیقی سمجھ کر بازو میں چٹکی بھری تھی کہ اگر یہ خواب ہے تو چٹکی بھرنے سے آنکھ کھل جائے گی لیکن وہ خواب نہیں تھا۔ سب کچھ اتنا حقیقی تھا جتنا یہ وقت حقیقی معلوم ہو رہا ہے۔ یہ خواب ہے یا وہ خواب تھا؟ کیا میں ایک ساتھ دو زندگیاں گزار رہا ہوں؟ بستر پر لیٹا ہوا میرا ہم شکل کون تھا؟ کیا میرے دو وجود ہیں؟

ابو نے فزکس میں Ph.D کی تھی اور یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ شام کو چائے پر ان سے ذکر کیا کہ میں عجیب واقعے سے گزرا ہوں۔ جو کچھ میں نے خواب میں کیا، اس کے نشانات بیداری میں موجود تھے۔ کیا ہم دو زندگیاں گزارتے ہیں اور ہمارا کوئی ہم شکل بھی ہے؟

ابو نے جواب دیا، فزکس مظاہرے کو مانتی ہے اور خوابوں پر تحقیقات بہت کم کی گئی ہیں۔ میں 15 سال

سے فزکس پڑھا رہا ہوں۔ اب تک ایسی کوئی تحقیق (case study) میری نظر سے نہیں گزری۔ کوانٹم فزکس میں کچھ من چلے ماورائیت کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن باتیں نظریات تک ہیں۔ ماورائیت الف لیلیٰ کی داستان ہے۔ کہانی سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں۔ مجھے یہ نفسیاتی مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ کل تمہارے چچا آئیں گے، ان سے بات کرتا ہوں۔

حامد اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ چچا ماہر نفسیات تھے۔ ان کے آنے سے محفل جم جاتی تھی۔ حامد کی روداد سن کر انہوں نے کہا، مجھے یہ دوہری شخصیت کے مرض کی ابتدا معلوم ہوتی ہے جس میں آدمی خود کو کئی شخصیات میں تقسیم سمجھتا ہے۔ نیند کی ضرورت ہے۔ دوا تجویز کر رہا ہوں، ٹھیک ہو جائے گا۔

چچا کے جانے کے بعد حامد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کوئی اس کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔

قارئین! کیا آپ اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں؟

رحمٰن و رحیم اللہ کا ارشاد ہے،

۱۔ اس نے پیدا کیا انسان کو ٹھیکری جیسی بجنی مٹی سے۔ (الرحمٰن: ۱۴)

۲۔ اور پھونکی اس میں اپنی روح اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ (السجدۃ: ۹)

تخلیق کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ اسفل ہے جو کیچڑ سے بنا ہے۔ دوسرا رخ توانائی ہے۔ ایک رخ لباس ہے اور دوسرا رخ لباس کو حرکت میں رکھنے والا وجود ہے۔ ایک رخ اسکرین ہے اور دوسرا رخ اسکرین پر رنگ ظاہر کرنے والی روشنی ہے۔

آدمی خود کو مادی وجود تک محدود کرنے پر بضد ہے۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ محدودیت مفروضہ ہے کیوں کہ چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کی گہرائی میں جائیں تو وہ پھیل کر کائنات بن جاتا ہے جب کہ محدود سمجھی جانے والی شے لامحدودیت سے روشناس کر دیتی ہے۔ ہم حقیقت سے دور فرضی دنیا میں رہتے ہیں جس میں جہالت کے اندھیرے نمو پاتے ہیں اور یقین کھوکھلا ہو کر ہر لمحہ شک کی سولی پر چڑھا رہتا ہے۔

آدمی جسم کے علاوہ روحانی وجود ہے۔ روحانی وجود مادی وجود کا محتاج نہیں۔ جسم مٹی کی کٹھ پتلی ہے جو روحانی وجود کے حرکت کرنے پر حرکت کرتا ہے۔ دنیاوی علوم کے ماہرین روحانی تحریکات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کیوں کہ جہاں فکشن علوم کی حدود ختم ہوتی ہیں، وہیں سے روحانیت کی ابتدا ہوتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے،

”وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں

کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (الزمر:۴۲)

خواب میں نظر آنے والا وجود غیر حقیقی نہیں۔ نامانوس ہونے کی وجہ سے شعور اس کی صلاحیتیں اور صفات نہیں سمجھتا۔خواب میں وجود زمان ومکان سے آزاد ہے۔ جب روحانی وجود کی تحریکات سامنے آتی ہیں تو پریشان ہونے کے بجائے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے — جو نہیں ہوتی۔حرکت خواب میں ہو یا بیداری میں، روشنی کے وجود کی تحریکات ہیں۔

روشنی کی تحریکات سمجھنے کے لئے میں نے سینما جانے کا ارادہ کیا۔اس دن سینما میں رش کم تھا۔ جہاں بیٹھنے کی جگہ ملی، آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔تھوڑی دیر بعد لائٹیں بند ہوئیں۔موسیقی بجنے کے ساتھ اسکرین پر سے پردہ ہٹا اور فلم شروع ہوئی۔ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اسکرین پر سے ہٹنے والا پردہ کپڑے کا نہیں، روشنی کا تھا۔ روشنی پردہ بن جاتی ہے اور منظر بھی دکھاتی ہے۔

کیفیت بدل گئی۔ بھول گیا کہ میں نیم تاریک ہال میں بیٹھا ہوں۔خود کو فلم کا حصہ سمجھ لیا۔حالات اور جذبات حقیقی محسوس ہوئے اور ان کے اثرات طاری ہوگئے۔کبھی ہنستا اور کبھی رونے لگتا۔ ہیرو کا کردار اچھا لگا اور میں نے خود کو ہیرو سمجھ لیا۔ ہیرو کا گھر بار تھا۔ بیوی بچے تھے۔ وہ گھر کا سربراہ اور گاؤں کا مالک تھا۔جب تک انہماک تھا، خود کو فلم کا ہیرو سمجھا۔ڈھائی گھنٹے کی فلم میں ہیرو کی 70 سال کی زندگی گزر گئی۔انہماک کی وجہ سے اتنی ہی زندگی میری بھی گزری۔ ہیرو کے انتقال پر احساس ہوا کہ میں بھی مر گیا ہوں۔فلم ختم ہوتے ہی ہال میں لائٹ روشن ہوئی اور مجھے ہوش آیا کہ یہ افسانہ تھا۔ میں رنگین باغ میں نہیں، سینما ہال میں بیٹھا تھا۔

ذہن میں سوالات پیدا ہوئے۔

۱۔ میں نیم تاریک ہال میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے ماحول میں کیسے داخل ہوا— ؟

۲۔ ڈھائی گھنٹے میں 70 سال کی سرگزشت کیسے گزر گئی— ؟

۳۔ فلم حقیقی کیوں محسوس ہوئی— ؟

سوالات کئی روز ذہن میں گردش کرتے رہے لیکن جواب نہیں ملا۔شش و پنج کا شکار ہوگیا کہ فلم دیکھ کر آیا ہوں یا وہاں سے آکر فلم دیکھ رہا ہوں؟ خواب اور بیداری سوالیہ نشان بن گئی۔ دونوں میں ماحول کی تبدیلی دیکھی یعنی بیداری میں فلم میں کھو گیا اور خواب میں خود کو بیدار دیکھا۔آخر میرے کتنے روپ اور کردار ہیں اور ان میں مرکزی کردار کون سا ہے؟

احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:۷۔۸)

فرمانِ الٰہی کے مطابق ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے اور ہم اس ریکارڈ کو دیکھیں گے۔ریکارڈنگ میں ایک لمحے کا تعطل نہیں۔ذرّہ برابر نیکی اور بدی دونوں دکھائی

جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

۱۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ (المطففین: ۸۔۹)

۲۔ اور تمہیں کیا خبر کہ علیین کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی جسے مقربین دیکھتے ہیں۔
(المطففین: ۱۹۔۲۱)

رحیم و کریم ہستی اللہ کے فرمان کے مطابق ذرّہ برابر نیکی ضائع ہوگی نہ ذرّہ برابر برائی کرنے والے لوگ انجام سے بچ سکیں گے۔ سب اپنے اپنے اعمال سجین اور علیین میں دیکھیں گے۔

مادیت کے پرستاروں کا خیال ہے کہ موت اختتامِ زندگی ہے۔ جب کہ یہ زندگی کا ایک مرحلہ ہے، دیگر مراحل باقی ہیں۔ اپنی نیکی اور بدی کا ریکارڈ دیکھنا اور سجین اور علیین سے مقرب بارگاہ ہستیوں کا واقف ہونا اشارہ ہے کہ زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے۔

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانہ میں جو مستور ہے
خودنمائی خودفزائی کے لئے مجبور ہے
سردیِ مرقد سے بھی افسردہ ہوسکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

فرشتے (کراماً کاتبین) ہر اچھے اور برے عمل کی عکس بندی (ریکارڈ) کر رہے ہیں۔ دوسری دنیا میں ہم اپنے اچھے اور برے عمل کی وڈیو دیکھتے ہیں۔ اچھے اعمال دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال دیکھ کر اذیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تلاش کرنا ہے کہ ہمارا وطن کہاں ہے اور ہم کسے اصل وطن سمجھ رہے ہیں؟ جسم مکان ہے جس میں ہم رہتے ہیں یا ہم صرف جسم ہیں؟

ایسا لگتا ہے کہ کچھ بھی ہمارا نہیں، ہم مسافر ہیں اور اس دنیا سمیت ساری دنیائیں مسافر خانہ ہیں۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کو تسلیم کریں یا نہ کریں، ہمیں سفر کرنا ہے، راستوں اور منزلوں سے گزرنا ہے۔ چاہیں بھی تو کسی منزل پر ہمیشہ کے لئے قیام نہیں کر سکتے۔ ہم برف کی مانند ہیں جو ہر لمحہ پگھلتی ہے، بخارات بن کر فضا میں اڑتی ہے، جمتی ہے، پگھلتی ہے پھر برستی ہے اور دوبارہ سے بخارات بننے کے سفر پر گامزن ہو جاتی ہے۔

زندگی کو سنیما اسکرین کہا جائے تو لکھا جائے گا کہ اس دنیا سے پہلے کی دنیا میں اسکرین الگ ہے۔ یہاں آنے کے بعد بیداری کی اسکرین الگ اور خواب کی اسکرین الگ ہے۔ مرنے کے بعد کی اسکرین الگ ہے۔ جنت اور دوزخ کی دنیائیں بھی اسکرین پر محفوظ

ہیں۔ایسے میں کھوج لگانا ضروری ہے کہ

۱۔ ہم کس مقام پر موجود ہیں؟

۲۔کس وقت کون سی اسکرین پر ظاہر ہو رہے ہیں؟

۳۔کس مقام سے خود کو مختلف اسکرینوں پر جلوہ گر ہوتے دیکھ رہے ہیں؟

ہماری دلچسپی اور توجہ بس اتنی ہے کہ ہم اسکرین پر عکس کو اپنا اصل وجود سمجھ کر دیکھ رہے ہیں۔

ہمیں تلاش کرنا چاہئے کہ

۱۔ ہمارے کتنے وجود ہیں؟

۲۔ اصل کیا ہے؟

۳۔ اور کہاں قیام پذیر ہے؟

میں یہ سمجھا ہوں کہ ہم صرف نگاہ اور فکر ہیں۔ ہر عالم میں اپنے آپ کو ظاہر ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ہمیں نہیں معلوم کہ کائنات میں سفر کے کتنے مراحل ہیں۔ ابتدا کہاں سے ہوئی ہے اور اختتام کیا ہے۔ہم وہ لوگ ہیں کہ جب فلم ختم ہوتی ہے تو بے ساختہ کہتے ہیں،

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

برزخ ، ناسوت ، اعراف ، حشر ونشر ، جنت دوزخ سے گزر جائیں گے تو اسے خواب کہیں گے۔اس خواب کی کوئی تو حقیقت ہے۔وہ کیا ہے ——؟

لازم ہے کہ حقیقت کو تلاش کریں ورنہ دنیا میں آنے کا مقصد ادھورا رہ جائے گا اور یہاں سے بعد کے عالمین میں بھی زندگی لاعلمی میں گزرے گی۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اسپیس

اعلیٰ اسپیس میں جنت کی اسپیس، علیین کی اسپیس اور برزخ کی اسپیس شامل ہیں۔ادنیٰ اسپیس میں محشر کی اسپیس، سجین کی اسپیس اور ناسوت کی اسپیس شامل ہیں۔ یہ بات قابل تفکر ہے کہ حضرت آدمؑ علیین کی اسپیس چھوڑ کر ناسوت کی اسپیس میں آئے۔ ان کی تمام نسل بھی اسی طرح عالم ناسوت میں آتی ہے۔ جنت کی اسپیس، ناسوت کی اسپیس سے بالکل مختلف ہے۔ جنت کی اسپیس میں آرام، خوشی اور تن درستی ہے۔ ناسوت کی اسپیس میں تکلیف ہے، رنج ہے، بیماری ہے اور مختلف اقسام کی پریشانیاں ہیں۔ یہ بہت تھوڑی مدت ہے۔آدمی کی عمر کم ہوتی ہے اس لئے اس اسپیس میں جتنی تکالیف اور پریشانیاں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں مگر جس کے اوپر یہ بیتتی ہیں اسے لگتا ہے کہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔آہستہ آہستہ آدمی اس اسپیس سے گزر جاتا ہے۔سجین سے سب راستے سجین میں کھلتے ہیں، علیین میں نہیں کھلتے۔ادنیٰ اسپیس کا آپ کو تجربہ ہے اس لئے کہ آپ عالم ناسوت میں رہتے ہیں۔آپ اس اسپیس سے خوش بہت ہوتے ہیں مگر خوشی ناخوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

قارئین! اقتباس آپ نے پڑھا۔خواتین وحضرات، بزرگ و بچے اس تحریر کو پڑھ کر نقشہ بنائیں اور ادارے کو بھیجیں۔

عبدالخالق

سورہ فلق

رات کا اندھیرا قدرتی نعمت ہے جس میں نوعِ آدم راحت پاتی ہے۔ یہ اندھیرا روشنی کی وہ قسم ہے جس کو غیب کا دروازہ کہا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں کون سی تاریکی کے شر سے بچنے کے لیے ربِّ فلق کی پناہ مانگی گئی ہے—؟ یہ کون سا اندھیرا ہے کہ جب چھا جائے تو راہ سجھائی نہیں دیتی—؟

تفکر کی کدال سے یکسوئی کی زمین پر کھدائی کی جاتی ہے تو زیرِ زمین علوم کا سمندر نظر آتا ہے۔ اس سمندر کا نام علمِ شے یا علم الاسما ہے۔ علم کا حصول— ترک کے بغیر ممکن نہیں جیسے یقین کا حصول شک کو ترک کرنے سے ہے، اور شک اور یقین دونوں علم ہیں۔

اچھائی کا علم حصول ہے جب کہ برائی کے ترک کا حکم ہے۔ عام طور پر منفیت (negativity) کے علم پر توجہ نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے اچھائی سے وابستہ ہونے کی محنت رائیگاں ہو جاتی ہے۔ سمجھ لیں کہ سوراخ بھرے بغیر پانی کا ٹینک نہیں بھرتا۔

سورہ فلق میں اللہ کریم نے حق کے مسافروں کو شر کے علوم سمجھنے اور ان سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔

ربِّ فلق— اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"کہو! میں پناہ میں آتا ہوں صبح کے رب کی۔ مخلوق کے ہر شر سے۔ اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔ اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

(الفلق: ۱۔۵)

اس سورہ میں آدمی میں پائے جانے والے تین قسم کے شرور (شر کی جمع) کا تذکرہ ہے جن سے نجات کے لئے ربِّ فلق کی پناہ اور تحفظ مانگا گیا ہے۔

سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ

۱۔ ربِّ فلق سے کیا مراد ہے؟

۲۔ پناہ اور اس کا طریقِ کار کیا ہے؟

۳۔ شر کسے کہتے ہیں اور بیان کئے گئے تین قسم کے شر کیا ہیں؟

<u>ربِّ فلق</u>: فلق (ف ل ق) کے معانی کسی شے کو پھاڑ کر نمودار ہونا، چیرنا، نکلنا، تاریکی پھاڑ کر صبح کا نمودار ہونا ہے۔ بالفاظ دیگر گٹھلی اور دانے کے پھٹنے سے کونپل نکلنا، شاخ پھوٹنا پھر پتّا، شگوفہ، پھل اور پھل میں بیج بننا وغیرہ۔

فلق اصطلاحی طور پر ایسا ارتقائی نظام ہے جس میں فرد یا قوم اسفل کے تاریک خول کو پھاڑ کر اعلیٰ علیین کی طرف سفر کرتی ہے۔ رب — اللہ کریم کی ایسی صفت ہے جو اس عمل یا نظام کو زندہ اور قائم رکھنے کے وسائل مہیا کرتی ہے۔ جیسے آم کی گٹھلی کو پھٹنے کے لئے زمین کے اندر مخصوص ماحول، درجۂ حرارت اور نمی کی خاص مقدار چاہئے۔ گٹھلی کو یہ چیزیں جب زمین میں میسر آتی ہیں تو وہ پھٹتی ہے اور کونپل نکلتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے فرد یا قوم کو مٹی کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے ماحول اور وسائل مہیا کئے ہیں۔ لہٰذا 'ربِّ فلق' سے مراد وہ رب ہے جو جمود زدہ اور انفرادیت میں قید ذہن میں تفکر کے دریچے کھولتا ہے۔

فلق یعنی تاریکی سے نکل کر روشنی پانے کی کوشش ہر فرد اور قوم کو کرنی چاہئے جس کے وسائل ہر خطۂ زمین پر میسر ہیں۔ پہلی منزل مقصد حیات کو جاننا، پھر حیات کو پانے کے لئے ہدایت پر دلجمعی سے عمل کرنا ہے۔

فلق سے حقیقی آزادی میسر آتی ہے۔ بندہ انفس و آفاق میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر کرتا ہے اور اسے ذہنی یکسوئی کے ساتھ طرزِ فکر کا وہ زاویہ حاصل ہوتا ہے جسے قلندر شعور کہتے ہیں۔

تعوذ: اس کا ماخذ عوذ (ع و ذ) ہے جس کے لغوی معانی پناہ میں آنا، منسلک رہنا اور مستقل طور پر اختیار کر لینا ہیں۔

فرد نقصان سے بچنے کے لئے خود کو بے بس محسوس کرتا ہے اور ایسی ہستی کی پناہ میں آنا چاہتا ہے جو صاحبِ قدرت ہے۔ آدمی مسافر ہے، دنیا راستہ ہے اور منزل عرفان الٰہی ہے۔ شر راستے کی رکاوٹیں ہیں۔ آدمی کے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ خطرات سے اپنی حفاظت کر سکے۔ لہٰذا ان آیات میں اللہ کریم نے نوعِ آدم کو وہ راستہ بتایا ہے جس کے ذریعے شر سے بچ کر ربِّ فلق کی حفاظت میں آنا آسان ہو جاتا ہے۔

خطرات سے بچنے اور منزل کی طرف چلتے رہنے کے لئے سوائے اس کے کوئی طریقہ مؤثر نہیں کہ مسافر کی توجہ منزل پر مرکوز رہے۔ منزل کو ذہن میں رکھنے والا فرد بھول بھلیّوں سے پناہ میں رہتا ہے۔

مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ بچہ ہر کام کے لئے ماں کی طرف دیکھتا اور ماں سے رجوع کرتا ہے۔ گھبراتا ہے تو ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ماں نظر نہیں آتی، رونا شروع کر دیتا ہے۔ یہ بچے کی ماں کے لئے یکسوئی ہے یعنی ماں ہر لمحہ اس کے ذہن میں حاضر ہے۔

شر کیا ہے؟: بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تخلیق کائناتی مشین کے کَل پرزے ہیں۔ سارے کَل پرزے حرکت کے لئے توانائی کے محتاج ہیں۔ الیکٹران میں کرنٹ عمومی طور پر high potential (مثبت) سے low potential (منفی) کی طرف سفر کرتا ہے۔ لہٰذا ہر تخلیق اپنے اندر مثبت (positive) اور

منفی (negative) رخ کی حامل ہے۔سمجھنے کے لئے مثبت اور منفی کو ہم خیر اور شر کہہ سکتے ہیں۔ خیر اور شر ہر تخلیق میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

''مخلوق کے ہر شر سے۔'' (الفلق: ۲)

شر کے لغوی معنی منتشر ہونے یا بکھرنے کے ہیں۔ صلاحیت اور توانائی کا اس طرح صرف ہونا کہ وہ بکھر جائیں، منتشر ہو جائیں اور تعمیری نتیجہ مرتب نہ ہو، شر کہلاتا ہے۔ شر سے آلودہ ذہن شرک کے دائرہ کار میں آتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اس کا متضاد رخ حنیف ہے جس کو یکسو ذہن کہتے ہیں۔منتشر ذہن سے خارج ہونے والی منفی شعاعوں کو ہم نقصان یعنی وائرس کہہ سکتے ہیں جن کی خوراک خلیات ہیں۔ وائرس سے محفوظ رہنے کے لئے اینٹی وائرس بنایا جاتا ہے جو وائرس کی نشان دہی کرکے اسے مفلوج کر دیتا ہے اور نقصان پہنچانے سے روکتا ہے۔ شر کے خلاف اینٹی وائرس 'حنیف کا پیٹرن' ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''اور اتباع کرو ابراہیمؑ کے طریق کی جو یکسو تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے۔'' (آل عمران: ۹۵)

خیر اور شر مقداریں ہیں، شریعت کے قوانین ہیں۔ خیر کا سورس تجلی اور شر کا مقام شیطنت ہے۔ راہِ حق کے مسافر کے لئے ربِّ فلق کی پناہ اور حفاظت میں آنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں کہ وہ خیر کے قوانین کو سمجھنے کے ساتھ تخریبی اعمال کو بھی سمجھے اور ان کے نتائج سے واقف ہو تاکہ محفوظ رہ سکے۔

مثال کے طور پر جھوٹ کی تعریف اور نتائج معلوم نہ ہوں تو جھوٹ سے بچنا محال ہے۔ تمام انبیائے کرام نے امتوں کو خیر و شر کے قوانین پڑھائے، خیر کو اختیار کرنے اور شر سے بچنے کے طریقے سکھائے۔

خیر کی مقداریں ذہن و حواس کی نشوونما کا ذریعہ ہیں جن سے مسافر روحانی اور فکری طور پر راہِ حق کی جانب بڑھتا جاتا ہے۔تفکر کے سفر میں اسرار ظاہر ہوتے ہیں اور مسافر منزل سے قریب ہو جاتا ہے۔

''کائنات کی base تجلی ہے۔خیر کا سر چشمہ تجلی کائنات کے ہر ذرّے میں معین مقداروں کے ساتھ گشت کر رہی ہے۔تجلی کائنات کے ہر ذرّے کی مستقل اور متواتر حرکت کا سبب ہے۔تجلی اپنے اندر خالق کی طرف سے feed پروگرام کے مطابق عمل کرنے کی پابند ہے۔ کائنات کے ذرّات میں سے گزرتے وقت کوئی رکاوٹ یا ناپسندیدہ عمل پیش آ جائے تو اس کے اندر ایک طوفانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حرکت میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے، عدم توازن سے معین مقداروں میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی تخریبی اثر مرتب ہوتا ہے۔''

شر تخریب ہے اور تخریب رکاوٹ ہے۔ ناقص ایندھن انجن کے ذریعے گاڑی کے چھوٹے بڑے پرزوں میں داخل ہو کر نقصان پہنچاتا ہے۔ بظاہر گاڑی سالم نظر آتی ہے لیکن اندر ٹوٹ پھوٹ ہے۔ اس میں بیٹھ کر

منزل پر نہیں پہنچا جا سکتا۔

سورہ فلق میں شر کی بیان کردہ اقسام یہ ہیں:

۱۔ غاسق: بنیادی حروف 'غ س ق' ہیں۔

تاریک اندھیرے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر رات میں چھانے والے اندھیرے کو تاریکی کہا جاتا ہے جب کہ اندھیرا، روشنی کی ایسی قسم یا فریکوئنسی ہے جس کو مادی آنکھ دیکھنے سے قاصر ہے اس لئے نوعِ آدم اس روشنی کو اندھیرا کہتی ہے۔

اندھیرا بے شمار مخلوقات کے لئے روشنی ہے۔ جیسے کہ دو انچ طویل آبی مخلوق بوب ٹیل رات میں شکار کے لئے نکلتی ہے اور خود کو روشن کرنے کے لئے اپنے اندر بیکٹیریا سے مدد لیتی ہے۔ پیٹ کے نچلے حصے میں چمکنے والے بیکٹیریا ماحول میں رنگ سے مشابہ روشنی خارج کرتے ہیں۔ بوب ٹیل اس روشنی میں چھپ جاتی ہے اور وہاں موجود کسی مچھلی یا آبی مخلوق کو نظر نہیں آتی۔ اس طرح حملے سے محفوظ رہتی ہے اور دوسری مچھلیاں دھوکا کھا کر شکار بن جاتی ہیں۔

بوب ٹیل چاندنی سے مشابہ روشنی خارج کرتی ہے تاکہ کیموفلاج (بھیس بدلنے) میں آسانی ہو۔ دن میں یہ ریت میں چھپ جاتی ہے۔

رات کا اندھیرا قدرتی نعمت ہے جس میں نوعِ آدم راحت پاتی ہے۔ یہ اندھیرا روشنی کی وہ قسم ہے جس کو غیب کا دروازہ کہا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں کون سی تاریکی کے شر سے بچنے کے لیے ربِّ فلق کی پناہ مانگی گئی ہے ـــ؟ یہ کون سا اندھیرا ہے کہ جب چھا جائے تو راہ سجھائی نہیں دیتی ـــ؟

غور وفکر سے آگہی ملتی ہے کہ جہالت وہ تاریکی ہے جو چھا جائے (وقب) تو نوعِ آدم کی اصل یعنی روح کی صلاحیت پردے میں چلی جاتی ہے اور وہ تغیر کے جال میں پھنس کر شر کو بھی خیر سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

۱۔ یہ جلد باز ہے۔ ۲۔ یہ ناشکرا ہے۔

۳۔ یہ جاہل ہے۔ ۴۔ یہ ظالم ہے۔

جلد بازی اور ناشکری سے فرد ذہنی کشاکش اور دماغی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ علم کی توجیہ معلوم نہ ہونا جہالت ہے اور جہالت اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔

۲۔ نفّٰثٰت: اس کا ماخذ 'ن ف ث' ہے۔ معانی پھونک مارنا اور کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنا، دل موہ لینا، لبھانا اور توجہ حاصل کرنا ہیں۔

''اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔''

(الفلق:۴)

گرہ کو عقد کہتے ہیں۔ بات مان کر چاہے درست ہو یا غلط، گرہ لگا دی جائے تو وہ عقیدہ بن جاتی ہے۔ عقائد بنانے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ غور وفکر اور مقصد حیات کا تعین نہ ہو تو عقائد میں سقم واقع ہو جاتا ہے۔

مضبوط اور محکم ارادوں کو بھی عقد کہتے ہیں۔ ارادہ

رحمانی طرزفکر	حصول	ترک
ا۔ یکسوئی (حنیف) کا پیٹرن (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج)	یقین، عبادت کی 'روح' سے واقف ہونا یعنی عمل میں شامل کرنا	شک، شرک، خوف، ذہنی انتشار، عبادت کی 'روح' سے غفلت
۲۔ اخلاق	ایثار، استغنا، صداقت، انصاف، معافی، ہمدردی	توقعات، بداخلاقی، خودغرضی، حسد، جھوٹ، نفرت، غصہ، انتقام
۳۔ تفکر اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا	قرآن میں تفکر، اپنے اندر باہر غوروفکر، احترام انسانیت، محبت، بھائی چارا	جمود، جہالت، بے عملی، لاعلمی، اختلاف — تفرقہ

کم زور کرنے کے لئے ایسی بات کہہ دینا جس سے فرد اس کام کو ترک کردے، یہ بھی شر ہے۔

ایک شخص مقابلے کا امتحان دینے کا ارادہ کرتا ہے مگر دوست کہہ دے کہ مقابلے کا امتحان تمہارے بس کی بات نہیں تو یہ سن کر امتحان دینے کا ارادہ کم زور ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ امتحان نہ دے۔ کم زور ارادے کا حامل شخص اور حوصلہ شکنی کرنے والا، دونوں کا یقین منتشر ہے۔ لہٰذا سورہ فلق میں ارادے کی کم زوری اور کسی کے منفی تاثر سے دور رہنے کے لئے بھی پروردگار کی حفاظت مانگی گئی ہے۔

خیر اور شر سے واقف شخص کا ارادہ مضبوط ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے کاموں کو الگ سے جانتا اور پہچانتا ہے اور کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ اللہ کے دوست ایسی بات نہیں کہتے جس سے ارادے میں کم زوری واقع ہو۔ ان کی شخصیت مضبوط ہوتی ہے۔ اللہ پر یقین اور بھروسا مشکلات اور آزمائش کو ان پر آسان کردیتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کا قول ہے،

''ارادے کی کام یابی ان کو راز رکھنے میں ہے۔''

گرہوں پر پڑھ کر پھونک مارنے والیوں سے حفاظت سے مراد، ارادوں میں کم زوری پیدا ہونے کے شر سے اللہ کی حفاظت میں آنا ہے۔

۳۔ حسد: شر کی تیسری قسم حسد ہے۔ لغوی معنی چھیننے کے ہیں۔ حسد وہ ذہنیت ہے جس میں تمنا کی جاتی ہے کہ دوسرے کے پاس جو کچھ ہے وہ مجھے مل جائے یا اس سے چھن جائے۔ خودغرض، لالچ اور توقعات رکھنے والا فرد حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ اخلاقی بیماری ہے جو رفتہ رفتہ نفرت میں تبدیل ہوتی ہے اور زوال کا باعث بنتی ہے۔

رب کی پناہ میں آنے کا عمل تزکیۂ نفس اور رحمانی طرزفکر کا حصول ہے جس سے روحانی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔ رحمانی طرزفکر کے حصول کے لئے مضمون میں دیا گیا جدول (چارٹ) دیکھئے۔

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ___

گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلوسبز

کراچی: 021-36039157
حیدرآباد: 0222781798
میرپورخاص: 03133508543
ڈگری: 03453700144
ملتان: 03006338192

فیصل آباد: 041-8540132
لاہور: 03224112737
راولپنڈی: 051-5169242
اٹک: 03135168800
ہری پور: 03135914147

پشاور: 03219110156
مانسہرہ: 03005621447
مظفرآباد: 05822446661
میرپور: 03455701558

شازیہ رشید

حضرت نظام الدین اولیاؒ کی اماں

میری والدہ کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق تھا۔ جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو اکثر خواب میں راہ نمائی ملتی تھی۔ ہدایات کے مطابق عمل کرنے سے مشکل رفع ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم سے نوازا تھا۔ اکثر اوقات کثرت سے درود شریف پڑھ کر اللہ کے حضور دامن پھیلاتیں اور دعا قبول ہو جاتی۔

کائنات میں لاشمار نعمتیں ہیں جن سے دل کو سکون و اطمینان ملتا ہے۔ مخلوق کے لئے سب سے بڑی نعمت اللہ سے تعلق ہے جس سے الوژن ختم ہوتا ہے اور کیئر آف اللہ طرز فکر حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اللہ کے محبوب حضرت محمدؐ کا ذکر مبارک ہے جس کے بارے میں خود رب العالمین اللہ کا ارشاد ہے،

''اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔''

(الاحزاب: ۵۶)

سکون وہ کیفیت ہے جب ذہن ساکن اور ارتعاش محسوس نہیں ہوتا۔ ساکن ہونے کو حرکت کی عدم موجودگی مت سمجھیں بلکہ یہ ایسی حالت ہے جو دوئی میں یکسوئی قائم رکھتی ہے۔ اللہ اور اس کے محبوب حضرت محمدؐ کے ذکر سے مومن کو سکون کی نعمت حاصل ہوتی ہے اور وجود میں موجزن لہروں کو قرار آجاتا ہے۔ دل ہر تحریک کا مرکز ہے۔ مرکز سے لہر جس فریکوئنسی میں سفر شروع کرتی ہے، اسی کے مطابق توانائی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس لئے دل کا پُرسکون ہونا ضروری ہے۔

واحد و یکتا اللہ کا فرمان ہے،

''سن رکھو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس: ۶۲)

آیت میں سکون حاصل کرنے کا فارمولا ہے۔ خوف اور غم سکون سے متضاد کیفیات ہیں جو سانس کی روانی متاثر کر کے ارتعاش بڑھا دیتے ہیں۔ ارتعاش پُرسکون لہر میں بھی ہوتا ہے کیوں کہ اسی کے سبب لہریں آگے بڑھتی ہیں مگر پُرسکون قلب میں ٹھہراؤ غالب ہونے کی وجہ سے ارتعاش محسوس نہیں ہوتا۔

اولیاء اللہ خواتین و حضرات میں ایک معروف نام بی بی زلیخاؒ ہیں۔ ہندوستان کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ بلند اخلاق کی حامل اور زہد میں اعلیٰ مرتبہ تھا۔ عبادت گزار اور شکر کرنے والی خاتون تھیں۔

شادی سید احمد بخاریؒ سے ہوئی۔گھر کا آنگن 15 سال تک سونا رہا۔ اولاد کی خواہش کسے نہیں ہوتی کہ یہ فطری جذبہ ہے۔میاں بیوی دعا کرتے تھے،

''اے ہمارے رب! ہماری نسل سے اپنا نام لیوا پیدا کر۔تو بہتر وارث عطا کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے اور جو اللہ پر توکل اور یقین رکھتے ہیں، انہیں دعا کی قبولیت کے ساتھ خاص انعام سے نوازتا ہے۔ بی بی زلیخاؒ کے گھر میں بچے کی کلکاریاں خوشی کا سبب بن گئیں۔ بیٹے کا نام ''سید محمد'' رکھا۔ کہتے ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔بی بی زلیخاؒ روشن ذہن خاتون تھیں۔ ماں سے روشنی بچے میں منتقل ہوئی۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بچے کا رجحان الوژن کے بجائے حقیقت کی طرف ہے۔ انہوں نے بچے کو بچپن سے صبر، شکر اور اللہ رسولؐ سے محبت کرنا سکھایا۔ ماں بچے کو بہترین تحفہ اگر دے سکتی ہے تو وہ سنت رسولؐ کے فرمان کے مطابق بچے کی تربیت ہے۔ چوں کہ یہ صفات بی بی زلیخاؒ میں موجود تھیں، وہ اپنے بچے کے لئے مثال بن گئیں۔

بیٹے کی عمر پانچ سال تھی کہ شوہر کا انتقال ہوگیا۔ بی بی زلیخاؒ کے لئے یہ صدمہ گہرا تھا لیکن انہوں نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور اللہ کی ذات پر یقین کے سہارے بیٹے کی تربیت و پرورش میں مشغول ہوگئیں۔ خوددار خاتون تھیں، محنت و مزدوری کی، سوت کاتا اور بیٹے کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق تعلیم دلوائی۔ بدایوں کے مشہور عالم سید علاؤ الدین اصولی کے پاس بھیجا جنہوں نے بچے کو ظاہری علوم سکھائے۔ بی بی زلیخاؒ بیٹے کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بدایوں سے دہلی منتقل ہوئیں اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ دہلی ظاہری و باطنی علوم کا مرکز تھا۔ ماں کی مستقل توجہ، تربیت اور کوشش سے بچے کو بلند اخلاق اساتذہ کی قربت میسر آئی۔

بچہ بڑا ہو کر سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کے نام سے مشہور ہوا۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ والدہ محترمہ کا ذکر نہایت احترام سے کرتے تھے۔ لہجے میں محبت ہوتی۔ ہمیشہ والدہ کا احترام کیا اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ہر بات غور سے سنتے، عمل کرتے اور انمول نعمت ''ماں'' کے لئے اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں،

''میری والدہ کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق تھا۔ جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو اکثر خواب میں راہ نمائی ملتی تھی۔ ہدایات کے مطابق عمل کرنے سے مشکل رفع ہوجاتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم سے نوازا تھا۔ اکثر اوقات کثرت سے درود شریف پڑھ کر اللہ کے حضور دامن پھیلاتیں اور دعا قبول ہوجاتی۔''

بچپن کا ایک واقعہ یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا تو اماں نے کہا،

''آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔''

یہ سن کر وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خیال تھا کہ

مہمان جب گھر آتا ہے تو محبت سے تواضع کی جاتی ہے اور بہت خیال رکھا جاتا ہے ۔ کچھ دیر گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی ۔ ایک شخص تھال لئے کھڑا تھا جس میں اناج تھا۔ اناج کئی دن چلا ۔حتیٰ کہ طبیعت گھبرا گئی کہ اناج ختم کیوں نہیں ہو رہا؟

قارئین! آپ غور کریں کہ بی بی زلیخاؒ نے بیٹے کی کس طرح تربیت کی۔ فاقہ کشی میں توجہ کھانے کی طرف مبذول کرنے کے بجائے خیال اللہ کی طرف موڑ دیا کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ اس جملے میں یقین کی ناقابل تسخیر توانائی مخفی ہے۔

بی بی زلیخاؒ فقیر کی تعریف بیان کرتی ہیں کہ

۱۔ فقیر ایک دریا ہے جس سے سخاوت کی نہریں جاری رہتی ہیں ۔ وہ مخلوق سے بے نیاز اور اللہ کا نیاز مند ہوتا ہے۔

۲۔ فقیر کے اندر استغنا ہوتا ہے۔ وہ دنیا کا لالچ اور لوگوں سے توقعات نہیں رکھتا۔ یقین کامل ہوتا ہے کہ صرف اللہ کی ذات کفیل ہے۔ فقرا کی قربت میں رہنے والوں کا ذہن اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ مخلوق میں تمہارا بہترین ساتھی وہ ہے جس کا رفیق اللہ تعالیٰ ہو۔

فقیر کی ایک پہچان مخلوق کی خدمت ہے۔ بی بی زلیخاؒ ضرورت مندوں کی مدد کرتیں اور لوگوں سے ہمدردی کی تلقین کرتی تھیں۔ فرماتی تھیں،

''اللہ کی دوستی اس شخص کے دل میں داخل نہیں ہوتی جو مخلوق پر مہربان نہ ہو۔''

خواجہ نظام الدین اولیاؒ اپنی والدہ بی بی زلیخاؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ بصیرت افروز تھیں۔ مجھے دیکھ کر اکثر فرماتی تھیں کہ بیٹا! میں تیرے اندر نیک بختی کی علامتیں دیکھتی ہوں۔ تیرا مستقبل تابناک ہے ۔ میں نے پوچھا، اماں جی! آپ میرا مستقبل روشن دیکھ رہی ہیں۔ مجھے نظر کیوں نہیں آتا؟

والدہ نے فرمایا، تم بھی دیکھ لو گے لیکن یہ اس وقت ہوگا جب میرے رخصت ہونے کا وقت آئے گا۔

جب سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ خانقاہی امور میں زیادہ مصروف ہوئے تو والدہ سے ملاقات کے لئے ہر ماہ چاند کی چودہ تاریخ مقرر کی۔ ایک ملاقات میں بی بی زلیخاؒ نے فرمایا، نظام! آنے والے مہینے میں کس کے قدموں پر سر رکھو گے؟

ماں کی بات سمجھ گئے اور روتے ہوئے عرض کیا، اماں جان! مجھ غریب لاچار کو تنہا چھوڑ کر جا رہی ہیں؟

بی بی زلیخاؒ نے فرمایا، کل صبح بات ہوگی۔

صبح حاضر ہوئے تو بی بی زلیخاؒ نے فرمایا، کل تم نے کچھ پوچھا تھا اس کا جواب یہ ہے۔ انہوں نے حضرت نظام الدینؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا،

''اے اللہ! میں نے اسے تیرے حوالے کیا۔''

پھر کلمہ پڑھا اور فانی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

بی بی زلیخاؒ کا مزار قطب مینار سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ادھ چنی گاؤں میں ہے۔ دہلی والے اسے مائی صاحبہ کی درگاہ کہتے ہیں۔

''فوائد الفواد'' میں تحریر ہے کہ والدہ کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ نظام الدینؒ آبدیدہ ہوجاتے تھے۔

موت زندگی کا اختتام نہیں ہے۔ یہ دو دنیاؤں کے درمیان پردہ ہے۔ جو لوگ روح کی حقیقت سے واقف ہوجاتے ہیں، موت کا پردہ ان کے لئے اٹھ جاتا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے اور ان کے توسط سے اللہ سے مصیبت رفع ہونے کی دعا مانگتے تھے۔

قطب الدین مبارک شاہ بن علاؤ الدین خلجی نے جامع مسجد تیار کرائی اور حکم دیا کہ لوگ نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا کریں۔ خواجہ نظام الدینؒ نے جامع مسجد میں جانے سے انکار کردیا اور فرمایا، قریب کی مسجد زیادہ مستحق ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے حکم جاری کردیا کہ ہر ماہ تمام مشائخ، علما اور رؤسا نئے چاند کی مبارک باد پیش کرنے کے لئے دربار میں حاضر ہوں۔

خواجہ نظام الدینؒ نہیں گئے۔ حاسدوں نے بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اسے بادشاہ کی توہین قرار دیا۔ بادشاہ نے غصے میں حکم دیا کہ آئندہ ماہ کی پہلی تاریخ کو جو شخص حاضر نہیں ہوگا، سخت سزا دی جائے گی۔

خواجہ نظام الدین اولیاؒ تک خبر پہنچی۔ وہ محاذ آرائی سے گریز کرتے تھے۔ خبر پر ردعمل ظاہر کئے بغیر والدہ بی بی زلیخاؒ کی قبر پر گئے اور عرض کیا،

> ''بادشاہ مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوگیا تو میں آپ کی زیارت کے لئے نہیں آسکوں گا۔''

قارئین خواتین وحضرات! اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ کے مقرب خسرو خان نے بادشاہ کو قتل کرکے لاش محل سے باہر پھینک دی۔

تاریخ میں اولیاء اللہ خواتین کا کردار بے مثال ہے اور خواتین کو متوجہ کرتا ہے کہ اللہ نے مرد وعورت دونوں کو باطنی علوم سے نوازا ہے۔ اب یہ فرد پر ہے کہ وہ اندر میں صلاحیتوں سے واقف ہوکر مخلوقات میں ممتاز ہوجائے۔

علیم وحکیم اللہ نے خوف وغم سے آزاد اولی الالباب خواتین وحضرات کو اپنا دوست کہا ہے۔ فہم وفراست، تدبر اور علم وفضل مرد اور عورت دونوں کو عطا کیا ہے۔ علم میں ظاہری و باطنی دونوں علوم شامل ہیں۔ لہٰذا خواتین کو چاہئے کہ وہ اولیاء اللہ خواتین کی حیات کا مطالعہ کریں اور اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کا عرفان حاصل کریں۔ بی بی زلیخاؒ فرماتی ہیں،

> ''علم لدنّی اس بندے کو عطا ہوتا ہے جو رسول پاکؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے رسول اللہؐ کی طرز فکر حاصل کرے۔''

عابد محمود

تمنائے وصلِ یار

آج میرے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا کیوں کہ میں خود اپنے سوال کی تلاش میں تھا۔
وہ مایوس رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا، قیس! جب تک اپنے سوالوں کے جواب دوسروں سے پوچھو گے، مایوس رہو گے۔ اندر تلاش کرو، میں بھی وہاں دیکھ رہا ہوں۔

نقاہت طاری تھی۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ میں صحرا یا ویرانے میں نہیں تھا، گھر کے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا سامنے رکھی ہوئی پانی کی بوتل سے پیاس بجھا سکتا تھا لیکن — میں کسی کے انتظار میں تھا اور انتظار طویل ہوتا جا رہا تھا۔ محسوس ہوا کہ اگر کچھ دیر تک پانی نہیں پیا تو پیاس سے مر جاؤں گا۔ خود کو سیرابی سے دور رکھنے کے لئے سامنے رکھے گلاس اور پانی کی بوتل کو نیم وا آنکھوں سے دیکھا — نقاہت کے بوجھ سے پلکیں آہستہ آہستہ آنکھوں کی دہلیز پر آ گئیں۔

باغبانی کے دوران بیج کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا کہ چھوٹا سا بیج دلیل ہے کہ اس کی نسل ابتدائے آفرینش سے چل رہی ہے اور یہی چھوٹا بیج اپنی آنے والی نسلوں کا تسلسل ہے۔ بیج نما مائیکروفلم میں ماضی کا ریکارڈ اور مستقبل کے لاتعداد درخت چھپے ہوئے ہیں۔ میں نے اسے نرم کی گئی مٹی میں رکھا اور اوپر سے مزید مٹی ڈال کر ہلکی سی تھپکی دی۔ سورج کی تمازت سے ماتھے پر بوندیں نمودار ہوئیں اور چہرہ بھگونے لگیں۔ پھر پیاس نے سیرابی کا تقاضا کیا۔

پانی اور پیاس دو رخ ہیں۔ پیاس نظر نہیں آتی، پانی دیکھا جا سکتا ہے۔ دیدہ نادیدہ دونوں رخ ملنے کو بے تاب تھے۔ پیاسے کو لگتا ہے کہ کائنات کی ہر شے پیاسی ہے اور سیرابی چاہتی ہے اور یہی ہر تخلیق کے گردش میں رہنے کی وجہ ہے۔

میرے اندر پیاس نے اپنے دوسرے رخ پانی سے ملنے کے لئے آواز دی۔ میں نے آواز سنی، حلق خشک ہو گیا اور ہونٹوں پر زبان پھیری، پاس پڑی ہوئی بوتل اٹھائی لیکن پانی نہیں پیا بلکہ نرم زمین میں مدفن بیج کی پیاس بجھائی۔

میں بڑبڑایا — پانی مٹی کو تر و تازہ رکھ کر بیج کی آبیاری کرے گا اور بیج درخت بن جائے گا۔ لیکن پہلے بیج کو خول سے نکلنا ہوگا۔ خول بیج اور مٹی کے

درمیان میں دیوار ہے۔ مٹی میں فنا ہونے سے بیج میں سراپا ظاہر ہوگا اور نسل بڑھے گی۔

پودوں کو پانی دے رہا تھا کہ ملازم نے اطلاع دی، صاحب جی! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔

کون ہے ــــ ؟

کوئی لڑکا ہے، نام نہیں بتایا، پریشان لگتا ہے۔

ٹھیک ہے۔ مہمان خانے میں بٹھاؤ، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔

مہمان خانے میں داخل ہوا تو نیلی قمیص پتلون میں ملبوس ایک لڑکا صوفے پر افسردہ بیٹھا تھا۔ آنکھیں کمرے کی چھت پر نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھیں۔

چہرہ جانا پہچانا تھا۔ یادداشت پر زور دیا، یاد نہیں آیا۔ وہ میری آمد سے غافل تھا، آنکھیں ہنوز چھت پر جمی ہوئی تھیں۔ ارتکاز بتا رہا تھا کہ وہ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں ہے۔ آنکھوں کے کناروں سے آنسو گالوں پر گرے مگر لڑکے کی محویت قائم رہی۔

گلا کھنکارتے ہوئے اپنی موجودگی سے مطلع کیا تو جیسے وہ ہوش میں آ گیا۔ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا، مجھے خبر نہیں ہوئی کہ آپ آ گئے ہیں۔

میں نے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے خوش اخلاقی سے جواب دیا، کوئی بات نہیں۔ بتایئے کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟

میرا نام 'قیس' ہے۔ کئی سال پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت میں بارہویں جماعت میں تھا۔ آپ نے سوالوں کا جواب دے کر میری الجھن دور کی تھی۔

مجھے یاد آ گیا کہ سات سال پہلے ہنستے مسکراتے لاابالی چہرے سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس چہرے کو موجودہ چہرے میں تلاش کیا ــــ کہیں نظر نہیں آیا۔ قیس بدل چکا تھا۔ وہ ہنستا مسکراتا چہرہ کہاں چھپ گیا؟ سامنے بیٹھے لڑکے کے چہرے پر داستان چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ زندگی آگے بڑھ رہی ہے لیکن ذہن ایسے نقطے پر رک گیا ہے جس نے اسے حالات کا قیدی بنا دیا ہے۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا، یاد آ گیا، آپ سے ملاقات ہوئی تھی لیکن اس وقت اور آج کے قیس میں بہت فرق ہے۔

الفاظ نے اس کے زخموں کو چھیڑ دیا۔ آنکھیں بھر آئیں اور زرد چہرہ سرخ ہو گیا۔ بھاری آواز اور بہتی آنکھوں سے داستانِ محبت سنانی شروع کی۔

آج میرے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا کیوں کہ میں خود اپنے سوال کی تلاش میں تھا۔

وہ مایوس رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا، قیس! جب تک اپنے سوالوں کے جواب دوسروں سے پوچھو گے، مایوس رہو گے۔ اندر تلاش کرو، میں بھی وہاں دیکھ رہا ہوں۔

قیس کے جانے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ محبت کی داستانیں ایک سی ہوتی ہیں۔ وہی محبّ اور محبوب۔ رقیب اور ظالم رسمیں۔ آہیں اور سسکیاں۔ شکوے

شکایتیں اور حصولِ یار کی تمنا۔ یہ تمنا دل کو بے چین رکھتی ہے۔ نہ جانے وصل کیسا تقاضا ہے جو سب کی زندگی کا جز بن کر نئی نئی داستانیں بن رہا ہے۔

★ تقاضے کیا ہیں ـــ؟

★ بیج کا مٹی میں ملنے کا تقاضا۔ وہ کیوں خود کو فنا کر کے نسلوں کو جنم دینا چاہتا ہے ـــ؟

★ پروانے کے اندر کون سی آگ ہے جو شمع سے مل کر فنا ہونا چاہتی ہے ـــ؟

★ ہر لمحہ کیوں خود کو فنا کر کے نئے لمحے میں داخل ہوتا ہے ـــ؟

لاعلمی کا دوسرا رخ علم اور تفکر کا دوسرا رخ آگہی ہے۔ جاننے کا تقاضا جب ماحول سے بے نیاز کر دے تو لاعلمی آگہی سے گلے مل کر علم بن جاتی ہے۔ تقاضے کیا ہیں، جاننے کی کوشش کی، ذہن میں ہلکا خاکہ بنا لیکن تصویر واضح نہ ہو سکی۔

بالآخر ذہن پیاس پر رک گیا کہ پیاس بھی تقاضا ہے۔ پیاس خود بتائے کہ وہ کیا ہے تو بات بن سکتی ہے۔ میں نے پانی پینا چھوڑ دیا اور صبر کی آخری حد تک سیرابی سے دور رہنے کا فیصلہ کیا۔ آٹھ ہزار چھ سو چالیس سیکنڈ (8,640) کے بعد صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو خود کو مصروف رکھنے کے بہانے تلاش کئے۔

حلق خشک، ہونٹ سفید اور آنتیں حسرت و یاس کی تصویر تھیں۔ پیاس کے تقاضے میں شدت تھی۔

میں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا پانی کی بوتل اور گلاس کو نیم وا آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر ضبط کا مزید امتحان لیتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

شکوک وشبہات پیدا ہوئے کہ شعور زیادہ دیر پیاس کا بوجھ اٹھا نہ سکے کیوں کہ جسم میں پانی کی کمی جان لیوا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں تک پہنچ کر پیاس سے ملے بغیر واپس جانا دل نے گوارا نہیں کیا۔

اچانک شعور اور لاشعور کے بیچ میں پیاس متشکل ہو کر میرے سامنے آ گئی۔ پیاس کی ہیئت اضطرابی کیفیت میں مبتلا، بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ جیسے پروانہ دیوانہ وار آگ دیکھ کر اس میں داخل ہونا چاہتا ہے۔

کون ہو تم ـــ؟ نیم وا آنکھوں سے پوچھا۔

اس نے کہا، کسی کی چاہت ہوں جو پیاس بن کر تمہارے اندر دور کر رہی ہے۔

کس کی چاہت ـــ؟ مجھے حیرت ہوئی۔

جس کی چاہت یہ کائنات ہے۔ جس نے محبت سے کائنات تخلیق کی تا کہ وہ پہچانا جائے۔

میں جاننا چاہتا ہوں کہ پیاس کیا ہے۔

یہی سوال تم سے پوچھتی ہوں کہ تم کیا ہو۔ تمہاری اور میری اصل ایک ہے۔ چوں کہ تم مجھے خود سے الگ دیکھتے ہو اس لیے مجھے پیاس کہتے ہو۔ میں پانی کا باطنی رخ ہوں۔ میرا ہونا پانی کے ہونے کی دلیل ہے۔ ہر شے پانی سے پیدا ہوتی ہے۔ پانی جانتا ہے کہ اس کی اصل کیا ہے۔ چوں کہ وہ روپ بہروپ

بن گیا ہے اس لئے پانی کے سارے بہروپ اصل روپ میں ضم ہونا چاہتے ہیں۔ اصل سے وصل کے لئے بے تابی کو تم پیاس کہتے ہو۔

تمہارا مقصد کیا ہے، چاہتی کیا ہو؟ میں نے پوچھا۔

وہی جو محبّ محبوب سے چاہتا ہے،

جو بیج زمین سے چاہتا ہے،

جو پروانہ شمع سے چاہتا ہے،

جو قطرہ سمندر سے چاہتا ہے

اور وہی جو تم مجھ سے چاہتے ہو۔

میں کوئی اور نہیں تمہاری پیاس کا روپ ہوں۔ مجھے یاد کر کے تم پیاس بن گئے ہو اور میں تمہاری سیرابی ہوں۔ صرف تم نہیں، میں بھی تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں پیاس ہوں اور میرا دوسرا رخ پانی ہے۔ جب تک تم پانی نہیں پی لیتے، میں تمہیں بے چین رکھوں گی۔

میں نے کہا، عجیب بات ہے کہ میں تم میں اور تم مجھ میں فنا ہونا چاہتی ہوتا کہ زندگی کا تسلسل قائم رہے اور پیاس اور پانی مل کر نئے جلوے میں آشکار ہوں۔

وہ بولی، تقاضے کی تسکین سے زندگی کو دوام ہے۔

میں نے کہا، لیکن تم محض پیاس ہو، اصل کام تو پانی کا ہے جو سیراب کرتا ہے۔

مسکراتے ہوئے پیاس بولی، پانی میں بھی پیاس ہے۔ ایسا نہ ہو تو پانی کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ تم غور کرو کہ اللہ نے خود کو متعارف کرانا چاہا تو مخلوقات کو محبت سے پیدا کیا۔ چاہنا اور محبت — دو رخ ہیں جن کے ملنے سے کائنات بنی ہے۔ چاہنا تقاضا ہے اور تقاضے کی تسکین و تکمیل محبت سے ہوتی ہے۔

چاہت — تقاضا ہے اور تقاضا تحریک ہے جو مجھے تمہیں اور کائنات کو متحرک رکھتا ہے۔ میں بھی زندگی ہوں اور تم بھی زندگی ہو۔ زندگی زندگی سے ملتی ہے۔

قارئین! اس قانون کو سمجھنے کے لئے درج ذیل کرامت اور اس کی تشریح پڑھئے۔

''حالتِ استغراق میں نانا تاج الدینؒ کی آنکھیں کچھ کھلی رہتی تھیں۔ حیات خان اکثر ان کی نیم باز آنکھیں عجیب ذوق وشوق سے دیکھتا۔ ایک مرتبہ استغراق کی حالت میں حیات خان نے مجھے اشارے سے بلایا۔ کہنے لگا، اس پتّے کو دیکھو۔ میری نظر یکے بعد دیگرے کئی پتّوں پر گئی۔ جس پتّے کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا اس میں سے ٹانگیں، چہرے کے خدوخال اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں رونما ہو رہی تھیں۔ پتّا تقریباً تین انچ لمبا ہوگا۔ یکایک میری نظر برابر والے پتّے پر جا پڑی۔ اس میں بھی ویسا ہی تغیر ہو رہا تھا۔ یہ دونوں پتّے ایک دوسرے کے پیچھے چلنے لگے۔ ایک دو منٹ میں ان کی ہیئت اتنی بدلی کہ پتّوں کی کوئی شباہت ان میں باقی نہیں تھی۔ وہ درخت کے تنے کی طرف چلے جا رہے تھے۔ اور نانا تاج الدینؒ کی نیم وا آنکھیں ان پر جمی ہوئی تھیں۔''

کرامت کی علمی توجیہ بیان کرتے ہوئے تاج الاولیا بابا تاج الدینؒ نے فرمایا:

”دیکھ یہ درخت ہے۔اس کے اندر زندگی کے سارے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنا، سننا، سمجھنا، جنبش کرنا، یہ سب ٹکڑے اس درخت کے اندر جھانکنے سے نظر آتے ہیں۔اس کے ہر پتّے میں سچ مچ کا منہ ہے، سچ مچ کے ہاتھ پیر ہیں۔فرق اتنا ہے کہ جب تک پتّا دوسری زندگی سے نہیں ٹکراتا، اس کے اندر عام لوگ یہ نیرنگ نہیں دیکھ سکتے۔ اور جب کوئی پتّا میری زندگی سے گلے ملتا ہے تو جیتا جاگتا کیڑا بن جاتا ہے۔ یہ سمجھ کہ آنکھ سے بھی گلے ملتے ہیں۔ یاد رکھ! زندگی سے زندگی بنتی ہے اور زندگی زندگی میں سماتی ہے۔“

پیاس کہہ رہی تھی کہ ایک شے کو دو رخ میں دیکھو گے تو سمجھنا ناممکن ہو جائے گا۔جس کو تم دو پرت سمجھتے ہو، وہ ایک شے کے دو پرت ہیں۔ بیج اور مٹی، محبّ اور محبوب، شمع اور پروانہ — دو رخ ہیں جو چاہت کی لڑی میں پروئے گئے ہیں۔ ان کی طرح پیاس اور پانی کا باطن بھی ایک ہے۔ ہر شے گردش میں ہے اور گردش تمنائے وصلِ یار ہے۔

مجھے جواب مل گیا تھا۔ میں نے مسکرا کر پانی کو دیکھا، گلاس میں ڈالا اور بسم اللہ پڑھ کر ہونٹوں تک لایا۔ پانی— جیسے ہی پیاس سے ملا ، دونوں مٹ گئے۔ پانی غائب ہوگیا اور پیاس بھی عارضی طور پر ختم ہوگئی۔ میرے اندر بے نام سیرابی عود آئی جیسے کسی نے فنا ہو کر مجھے زندگی بخش دی ہو۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ دریائے سندھ کوہ ہمالیہ کی بلندیوں میں واقع جھیل Manasarovar (مانا سروور) سے نکلتا ہے —؟ مانا سروور جھیل سطح سمندر سے تقریباً 15 ہزار فٹ بلندی پر ہے۔جھیل تقریباً گول اور تین سو فٹ (91.44 میٹر) گہری بتائی جاتی ہے۔یہ دنیا میں تازہ پانی کی بڑی جھیلوں میں سے ایک ہے۔ چند مذاہب میں اسے خصوصی اہمیت حاصل ہے اور سالانہ زیارت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔سردیوں میں جھیل مانا سروور جم جاتی ہے۔لوگ اس پر چل کر دوسری طرف پہنچتے ہیں۔

جھیل مانا سروور دریائے سندھ کے علاوہ دیگر دریاؤں کو بھی سیراب کرتی ہے۔تاہم دریائے سندھ میں داخل ہونے کے لئے جھیل کا پانی اپنے مرکز سے نکل کر شمال مغرب کی جانب کوہ ہمالیہ اور قراقرم کی تنگ گہرائیوں سے گزرتا ہے اور باریک دھار کی مانند نظر آتا ہے۔گلگت کے قریب یہ جنوب مغرب کی جانب مڑ کر پاکستان میں داخل ہوتا ہے اور تقریباً 18 سو میل سفر کے بعد بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔آغاز سے اختتام تک متعدد معاون دریاؤں کا پانی مختلف مقامات پر اس میں شامل ہوجاتا ہے۔ دریائے سندھ تاریخی اہمیت کا حامل اور قدیم تہذیب کا گہوارہ ہے۔ یہ ایشیا کے بڑے دریاؤں میں سے ایک جب کہ پاکستان کا سب سے بڑا دریا ہے۔

چھوٹا کام ← بڑا کام

کافی عرصہ پہلے میں چین گیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب چین نیا نیا آزاد ہوا تھا۔ ہم سے وہ ایک سال بعد آزاد ہوا۔ ان سے ہماری محبتیں بڑھ رہی تھیں اور ہم ان سے ملنے چلے گئے۔ افریقا اور پاکستان کے کچھ رائٹر چینی حکام سے ملے۔

ایک گاؤں میں بہت دور پہاڑوں کی اوٹ میں کچھ عورتیں بھٹی میں دانے بھون رہی تھیں۔ دھواں نکل رہا تھا۔ میرے ساتھ شوکت صدیقی تھے۔ کہنے لگے، یہ عورتیں ہماری طرح سے دانے بھون رہی ہیں۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دو عورتیں دھڑا دھڑ پھوس، لکڑی جو کچھ ملتا، بھٹی میں جھونک رہی تھیں اور اپنے رومال باندھے کڑاہے میں کوئی liquid (مائع) تیار کر رہی تھیں۔

ہم نے ان سے پوچھا، آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم اسٹیل (لوہا) بنا رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ اسٹیل کی تو بہت بڑی فیکٹری ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم غریب لوگ ہیں اور چین ابھی آزاد ہوا ہے۔ ہمارے پاس کوئی اسٹیل مل نہیں ہے۔ ہم نے اپنے طریقے کا اسٹیل بنانے کا ایک طریقہ اختیار کیا ہے کہ کس طرح سے سندور ڈال کر لوہے کو گرم کرنا ہے۔

یہ عورتیں صبح اپنے کام پر لگ جاتیں اور شام تک محنت سے اسٹیل کا ایک ''ڈلا'' یعنی پانچ، چھ، سات، آٹھ سیر اسٹیل تیار کر لیتیں۔ ٹرک والا آتا اور ان سے آ کر لے جاتا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے، ہم اس اسٹیل کے بدلے لے لیتے ہیں۔

میں جب کبھی اس بات کو سوچتا ہوں کہ سبحان اللہ! ان کی کیا ہمت تھی۔ ان کو کس نے یہ بتا دیا کہ یہ کام ہم کریں گے تو ملک کی ضرورت پوری ہوگی۔ چھوٹا کام بہت بڑا کام ہوتا ہے۔ اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

جو کوئی اسے انفرادی یا اجتماعی طور پر چھوڑ دیتا ہے، مشکل میں پڑ جاتا ہے۔

(کتاب: زاویہ۔۲)

حامد ابراہیم

ستاروں کی مجلس

محققین آسمان کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر حصے کی تصویر کے نیگیٹو کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نیگیٹو میں سیاہ آسمان سفید اور بظاہر سفید نظر آنے والے ستارے سیاہ نقطوں کی مانند نظر آتے ہیں جس سے گننے میں آسانی ہوتی ہے۔

سورج کی ساخت اور طرز عمل جاننے کے لئے طاقت ور دوربینوں سے مدد لی گئی ہے البتہ قائم کردہ نظریات ٹیکنالوجی میں جدت کے بعد تبدیل ہوجاتے ہیں۔سورج کے علاوہ کسی اور سیارے کی واضح تصاویر حاصل نہیں کی گئیں۔وجہ درمیانی فاصلہ بتایا جاتا ہے۔

مثال: کہا جاتا ہے کہ آسمان پر سورج کے بعد قریب ترین ستارہ شِعریٰ (Sirius) ہے۔مسلمان ماہرینِ فلکیات کہتے ہیں کہ اس ستارے کا ذکر قرآن کریم میں ''الشِعریٰ'' کے نام سے موجود ہے۔

''اور بے شک وہی شِعریٰ کا رب ہے۔''

(النجم: ۴۹)

دوربین ''ہبل'' اور دیگر دوربینوں سے حاصل کردہ تصاویر میں ''الشعریٰ'' محض نیلگوں سفید نقطہ نظر آتا ہے۔ چناں چہ مفروضات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مادی آنکھوں سے اس ستارے کا مشاہدہ تقریباً سال بھر کیا جاسکتا ہے۔ یہ آسمان پر ستاروں کے مشہور گروہ Canis Major (کلب اکبر) کے بالائی حصے میں واقع ہے۔اسے ''الجبار'' (Orion) کے نیچے بائیں جانب دیکھا جاسکتا ہے۔

قدیم مصری تہذیب میں اس ستارے کی مدد سے دریائے نیل کے سیلابی ادوار کی نشان دہی کی جاتی تھی اور یونانی تہذیب میں شدید گرمی کے دنوں کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔ بحر الکاہل کے جزائر میں آباد اقوام (Polynesians)اس سے جہاز رانی میں سمت کے تعین میں مدد لیتی تھیں۔

محققین کا کہنا ہے کہ انہوں نے چلی کے صحرا Atacama میں یورپی خلائی رصد گاہ (ESO) کی دوربینوں سے ستارے ''ابط الجوزاء'' اور ''قلب العقرب'' (Antares) کی تصاویر حاصل کی ہیں۔ تصاویر میں یہ نارنجی مائل سفید رنگ کے دھندلے نقطے نظر آتے ہیں۔مصوروں نے مفروضات کی مدد سے اس کی تصاویر بنا کر تفصیل دکھانے کی کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ مضمون کے پہلے حصے میں ستاروں سے متعلق دی گئی تفصیلات، براہِ راست مشاہدات کے بجائے ماہرین کے تجویز کردہ اندازے ہیں جن میں غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم میں بارہا ستاروں اور اجرامِ فلکی کو ''انسان'' کے لئے مسخر قرار دیا گیا ہے۔سورج، چاند اور ستارے مقررہ اوقات میں طلوع و غروب ہوتے ہیں۔زمین کو ان سے حرارت مہیا ہوتی ہے۔فصلیں اور پھل پکتے ہیں۔پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں۔سمندر میں مدوجزر ہوتے رہتے ہیں۔یہ سب نظام کے تحت ہے۔تسخیر کا مطلب جزئیات ،حرکات ، حیات و ادوار اور تخلیقی فارمولوں سے واقف ہونے کے بعد تصرف ہے۔تسخیر کا مفہوم اس وقت پورا ہوتا ہے جب انسان اللہ کے عطا کردہ اختیار سے اجرامِ فلکی میں تصرف کرے۔

★ ★ ★ ★

اللہ تعالیٰ نے اجرامِ فلکی کی پیدائش، ادوار، طریقِ کار، اقسام، مدار اور گردش (محوری ، طولانی)، زمین کے لحاظ سے ان کی حرکات (طلوع وغروب)،ستاروں کی روشنی میں کمی بیشی ،موت سے قریب صورت حال اور موت کو بیان کیا ہے۔تسخیر کی طرزیں اور فارمولے بتائے ہیں۔ستاروں کی روشنی کا ماخذ کیا ہے—؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی اور جب جنگلی جانور اکٹھے کیئے جائیں گے۔''

(التکویر:۱۔۵)

سورج اور ستاروں کی روشنی ختم ہونا اور موت سے ہم کنار ہونا زمین کے نظام سے منسلک ہے۔ جب سورج کی حالت میں تبدیلی واقع ہوگی تو اثر لامحالہ زمین پر پڑے گا کیوں کہ زمین پر نظام زندگی جاری رکھنے میں سورج ایک اہم ذریعہ ہے۔قرآن کریم کی کئی آیات میں زمین پر تبدیلیوں کو سورج کی حالت میں تبدیلی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔یعنی زمین اور سورج میں ربط ہے۔وہ ربط کیا ہے اور اس ربط میں اولیت اور ثانویت کس کو حاصل ہے؟

سائنس کے طلبا و طالبات جانتے ہیں کہ نظام شمسی میں پہلے زمین کو مرکزیت دی جاتی تھی۔ بتایا جاتا تھا کہ سورج اور باقی سیارے زمین کے گرد گردش کرتے ہیں ۔ بعد ازاں محققین نے اس نظریے کو رد کر کے سورج کو مرکز قرار دیا اور کہا کہ سیارے سورج کے گرد اپنے مدار میں محوِگردش ہیں۔

موجودہ تحقیق (science) اس نظریے کی حمایت کرتی ہے۔تاہم پرانے نظریے کو رد کرنے کے حوالے سے سوالات بہر حال موجود ہیں۔

ا۔ممکن ہے کہ پرانے نظریے میں زمین کی مرکزیت سے مراد اس کے مقام کی مرکزیت نہ ہو بلکہ اہمیت اور

طریقِ کار کا ذکر کیا گیا ہو۔

۲۔ ہوسکتا ہے پرانا نظریہ مخصوص حقائق پر مبنی ہو جن کی تشریح بعد میں پس پردہ چلی گئی۔

★ ★ ★ ★

سورج ، ستاروں اور سماوات کی آیات میں زمین کا ذکر ہے جس سے ان میں ربط کی نشان دہی ہوتی ہے۔ محترم عظیمی صاحب کتاب ''محمد رسول اللہؐ۔جلد دوم'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ سورج میں روشنی نہیں ہے، زمین روشن ہے۔ زمین محوری و طولانی گردش میں حرکت کررہی ہے۔ روشن زمین کا انعکاس سورج کے اوپر ہوتا ہے اور سورج کا یہ انعکاس دھوپ ہے۔

''زمین ایک گلوب ہے جو اپنے مدار پر ہر وقت متحرک رہتا ہے۔ زمین کے دو وجود ہیں۔ ایک وجود ظاہری ہے اور زمین کا دوسرا وجود باطنی ہے۔ زمین کا باطنی وجود ایسی ماورائی لہروں سے بنا ہوا ہے جو براہ راست نور سے فیڈ ہوتی ہیں یہ روشنیاں ماورائے بنفشی شعاعوں سے زیادہ لطیف ہیں۔ کسی بھی مادی وسیلے سے بھی نظر نہ آنے والی روشنیاں سورج کے اوپر منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ سورج ایسا سیاہ طباق ہے یا توے کی طرح ہے جس میں اتنی تاریکی اور سیاہی ہے کہ دنیا میں لاکھوں سال میں رائج الفاظ میں اس تاریکی کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس سیاہ توے یا سورج پر جب لطیف روشنیاں پڑتی ہیں تو سورج سے منعکس ہوکر زمین پر آتی ہیں اور یہی وہ روشنی ہے جس کو دھوپ کہتے ہیں۔''

قارئین! مذکورہ اقتباس میں روحانی علوم کے رموز ہیں۔ موجودہ تحقیق کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ''بلیک باڈی ریڈی ایشن'' کے نظریے سے کسی حد تک مدد مل سکتی ہے۔

★ ★ ★ ★

سیاہ جسم سے شعاعوں کا اخراج:

''بلیک باڈی ریڈی ایشن'' نظریے کے مطابق ایک مثالی سیاہ جسم روشنیاں جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور مخصوص فریکوئنسی کی صورت میں روشنی خارج کرسکتا ہے۔ سیاہ اجسام اور ان سے مخصوص روشنیوں کا اخراج ایسا میدان ہے جس پر تحقیق ہو رہی ہے۔

محققین ستاروں کو رنگین اور روشن تصور کرتے ہیں تاہم ستاروں کا طرزِ عمل دیکھتے ہوئے وہ کشمکش میں مبتلا ہیں کہ رنگین نظر آنے والے ستارے سیاہ اجسام ہوسکتے ہیں۔ وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ جب ستارے روشنی خارج کرتے ہیں تو یقیناً کہیں سے روشنی جذب بھی کرتے ہیں۔ یہ طریقِ کار سیاہ اجسام کے ذریعے عمل میں آسکتا ہے کیوں کہ سیاہ رنگ میں رنگوں کو جذب کرنے کی صلاحیت ہے۔

محققین کہکشاں یا ستاروں کو تصویر کے نیگیٹو کی مدد سے گننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ آسمان کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر حصے کی تصویر کے نیگیٹو کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نیگیٹو میں سیاہ آسمان سفید اور بظاہر سفید نظر آنے والے ستارے

سیاہ نقطوں کی مانند نظر آتے ہیں جس سے گننے میں آسانی ہوتی ہے۔

طبیعیات میں سیاہ اجسام کی تشریحات سے اخذ کرنا آسان ہے کہ زمین کے باطن سے خارج ہونے والی روشنیاں سورج پر پڑتی ہیں تو سورج انہیں جذب کر کے مخصوص مجموعے (spectrum) کی صورت میں خارج کرتا ہے جسے مادی ذرائع سے دیکھا یا محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے خارج ہونے والی روشنیوں میں سے بہت سی دریافت ہونا باقی ہوں لیکن جو دریافت ہوچکی ہیں، نظر آنے والی روشنیاں ان کا مختصر جزو ہیں۔ اس سے وضاحت ہوتی ہے کہ مادی دنیا میں نظر آنے والی اشیا حقیقت کے برعکس ہیں کیوں کہ ہم ان کی اصل نہیں دیکھ رہے۔ مرزا غالبؔ فرماتے ہیں،

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

★ ★ ★ ★

ستاروں کے گرد سیارے اور ان کی تخلیق:

شے کی بنیاد لہروں پر ہے اور لہریں مختلف نوعیت کی روشنیاں ہیں۔ آئن اسٹائن نے اخذ کیا کہ مادہ اور توانائی ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ محققین نے ثابت کرنے کے لئے تجربات کئے۔ ایک تجربے میں مخالف چارج کے حامل مگر کمیت میں مساوی دو برقی ذرّات کو یکجا کیا گیا۔ وہ دو گاما شعاعوں (روشنی کی ایک طاقت ور قسم) میں تبدیل ہوگئے۔ جس نقطے پر وہ یکجا ہوئے وہاں جھما کا ہوا اور گاما روشنی کی دو شعاعیں (فوٹان) اس نقطے سے مخالف سمتوں میں نکل گئیں۔

مزید تجربات سے ثابت ہوا کہ شعاعوں کی توانائی میں بتدریج اضافے سے پیدا ہونے والے ذرّات زیادہ کمیت اور نسبتاً بڑا حجم رکھتے ہیں۔

روشنی کی شعاعوں سے مادے کی تخلیق پر تجربات اور تحقیقات کا سلسلہ دراز ہوا اور ذرّات کی طبیعیات کا شعبہ (two photon physics) وجود میں آیا۔ ثابت ہے کہ مختلف فوٹانوں کو مخصوص طریقوں اور قواعد کے تحت یکجا کیا جائے تو ان میں توانائی کے مطابق مادی ذرّات تخلیق ہوتے ہیں۔

نکتہ: روشنی سے مادے کی تخلیق قدرت کا ایسا عمل ہے جس کو موجودہ سائنس میں کسی حد تک دریافت کیا گیا ہے۔ تاہم کائنات میں اس عمل سے کیا کچھ اور کس پیمانے پر تخلیق ہو رہا ہے، دریافت ہونا باقی ہے۔

روحانی ماہرین نے ستاروں کی روشنیوں سے سیاروں کی تخلیق کا حقیقی نظریہ بیان کیا ہے۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ لکھتے ہیں،

''فوٹان کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں اسپیس (space) نہیں ہوتا۔ اسپیس سے مراد ڈائی مینشن (dimension) ''ابعاد'' ہیں یعنی اس میں لمبائی چوڑائی موٹائی نہیں ہے۔ اس لئے جب یہ کرنوں کی شکل میں پھیلتے ہیں تو نہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، نہ ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں، بالفاظ دیگر یہ

جگہ نہیں روکتے، اس وقت تک جب تک کہ دوسرے رنگ سے نہ ٹکرائیں۔ یہاں دوسرے رنگ کو پھر سمجھئے۔ فضا میں جس قدر عناصر موجود ہیں ان میں سے کسی عنصر سے فوٹان کا ٹکراؤ ہی اسے اسپیس دیتا ہے۔ دراصل یہ فضا کیا ہے؟ رنگوں کی تقسیم ہے۔ رنگوں کی تقسیم جس طرح ہوتی ہے وہ اکیلے فوٹان کی رو سے نہیں ہوتی بلکہ ان حلقوں سے ہوتی ہے جو فوٹانوں سے بنتے ہیں۔ جب فوٹانوں کا ان حلقوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اسپیس یا رنگ وغیرہ کئی چیزیں بن جاتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنوں میں یہ حلقے کیسے پڑے؟ ہمیں علم ہے کہ ہمارے کہکشانی نظام میں بہت سے اسٹار یعنی سورج ہیں، وہ کہیں نہ کہیں سے روشنی لاتے ہیں، ان کا درمیانی فاصلہ کم سے کم پانچ نوری سال بتایا جاتا ہے۔ جہاں ان کی روشنیاں آپس میں ٹکراتی ہیں، وہ روشنیاں چوں کہ قسموں پر مشتمل ہیں اس لئے حلقے بنا دیتی ہیں جیسے ہماری زمین یا اور سیارے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج سے یا کسی اور اسٹار سے جن کی تعداد ہمارے کہکشانی نظام میں دو کھرب بتائی جاتی ہے، ان کی روشنیاں سنکھوں کی تعداد پر مشتمل ہیں اور جہاں ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے وہیں ایک حلقہ بن جاتا ہے جسے سیارہ کہتے ہیں۔ اب فوٹان میں اسپیس پیدا ہوجاتا ہے اور اسپیس کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کو الیکٹران کہتے ہیں۔ جہاں فوٹان اور الیکٹران دونوں ٹکراتے ہیں وہیں سے نگاہ رنگ دیکھنا شروع کردیتی ہے۔'' (کتاب: رنگ اور روشنی سے علاج)

★ ★ ★ ★

محقق واقف ہوچکے ہیں کہ فوٹان میں اسپیس سے الیکٹران (اور ضد الیکٹران) تخلیق ہوتے ہیں۔ الیکٹران مادی ذرّات کی بنیاد ہے اور مادی ذرّات کو دوام نہیں ہے جب تک کہ ان کے گرد الیکٹران محیط نہ ہوں۔ چناں چہ matter الیکٹران (اور ضد الیکٹران) کی مرکب شکل ہے۔ جب فوٹانوں کے آپس میں ٹکرانے سے الیکٹران (اور ضد الیکٹران) ظاہر ہوتے ہیں تو ان میں توانائی الیکٹران کی مقدارِ مادہ کے برابر ہے۔ توانائی بڑھنے سے مقدارِ مادہ میں اضافہ ہوتا ہے، بڑے اور زیادہ وزنی ذرّات تخلیق ہوتے ہیں۔ اگر فوٹان دور دراز ستاروں سے آرہے ہیں اور اپنے اندر کسی سیارے کی مقدارِ مادہ کے برابر توانائی رکھتے ہیں تو وہ توانائی، فوٹانوں (روشنیوں) کے مخصوص زاویوں میں ٹکرانے سے اسی نوعیت کے سیاروں میں تبدیل ہوجائے گی۔

سیارے میں لاشمار عناصر ہیں۔ عناصر کا تنوع اور سیارے میں مخصوص تناسب سے وضاحت ہوتی ہے کہ مختلف فریکوئنسی کے فوٹان کے یکجا ہونے سے متفرق رنگ اور عناصر وجود میں آتے ہیں۔

★ ★ ★ ★

ستاروں سے ہمارا تعلق:

دور دراز مقام پر قائم رصدگاہ میں محقق رات کے پچھلے پہر، آسمان کے مشاہدے میں مصروف ہے۔ چمکتے، ٹمٹماتے روشن ستاروں کا جمِ غفیر نگاہوں کے

سامنے ہے۔ ستاروں سے آنے والی روشنی ہزاروں نوری سال کا فاصلے طے کر کے، محقق اور دوسرے دیکھنے والوں کو کیا پیغامات دینا چاہتی ہے؟

اگر ستارے پیغامات ارسال کریں تو ہمیں ان کی اطلاعات کیسے ملیں گی؟ ستارے بتانا چاہتے ہیں کہ خالق کائنات اللہ نے آسمان و زمین کی مخلوقات میں رشتہ رکھا ہے۔ وہ رشتہ کیا ہے؟ روشنی ہمہ وقت ایک نظام سے دوسرے نظاموں میں محو سفر کیوں ہے؟ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ روشنی سے واقف ہو کر ہم اس میڈیم کے ذریعے دوسرے نظاموں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ستاروں سے آنے والے فوٹان سفر میں ہیں تاکہ اپنے اندر اور باہر کی داستانیں اور احوال، کائنات کے دور دراز مکینوں تک پہنچائیں۔ ستاروں کے پیغامات نظرانداز کر دیں تو ہماری مثال یہ ہے۔

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں وہ تو مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ ہیں۔'' (الفرقان:۴۴)

قرآن کریم نے ستاروں کے پیغامات میں تفکر کو دانائی قرار دیا ہے۔ ساتھ ہی انکشاف کیا ہے کہ اجرامِ فلکی انسانوں کے تابع کر دیئے گئے ہیں۔

''اور سورج اور چاند اور سب ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو صاحبِ عقل و فہم ہے۔'' (النحل:۱۲)

★ ★ ★ ★

اب پڑھئے کہ غالبؔ کیا فرماتے ہیں:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو
موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب رد سحر
بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
اس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا
روشناسوں کی جہاں فہرست ہے
واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا
نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب
تو کہے بت خانہ آزر کھلا
مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے
منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
میری حدِ وسع سے باہر کھلا
تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید
کس نے کھولا کب کھلا کیوں کر کھلا
باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

عظیمی میڈیکل اسٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

نفیسہ شاکر

نقل مکانی

قدرت کی بنائی ہوئی دنیا کو نظر انداز کر کے ہم ذہن کی دنیا میں رہتے ہیں۔ سب کے ذہن الگ ہیں لامحالہ سب کی دنیائیں الگ ہیں۔ یہی تصادم کی وجہ اور معاشرے میں ہم آہنگی نہ ہونے کا سبب ہے۔

ذہن ایک عکس پر ٹھہر گیا جو خبر سن کر آنکھوں کی پتلی میں منعکس ہوا تھا۔ ایک عورت تیزی سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اسے پکار رہی تھی تاکہ حواس بحال ہوں لیکن آنکھوں میں شناسائی نہیں تھی۔ خبر سن کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہوئی اور وہ بشمول اپنے آپ کے ہر ایک سے بے خبر ہوگئی۔ بے خبری آدمی کو ماحول سے منقطع کر دیتی ہے کیوں کہ جب ہونے کا احساس نہ ہو تو نہ ہونا بھی تذکرے میں نہیں آتا۔

یوم ازل میں جب تک ہم نے ربِ کائنات کی آواز نہیں سنی تھی ہم بے خبر گم صم تھے۔ خالق نے پکارا اور ہمیں اپنی موجودگی کا احساس ہوا۔

خالق کی آواز زندگی ہے۔ جس لمحے ذہن آواز قبول نہیں کرتا، فرد اپنے ہونے سے غافل ہو جاتا ہے۔ آواز ہمیں جگاتی اور سلاتی ہے، چلاتی اور ٹھہراتی ہے، ہنساتی اور رلاتی ہے، کھلاتی اور پلاتی ہے، پڑھنا، سوچنا، محسوس کرنا، بولنا اور لکھنا سکھاتی ہے۔

آواز سنے بغیر مصنف کا قلم چلتا ہے نہ مصور کی تصویر بنتی ہے، ارادہ ہوتا ہے نہ کام تکمیل کو پہنچتا ہے، مالی بیج بوتا ہے نہ پودا زمین سے نکلتا ہے، بارش برستی ہے نہ زمین پر روئیدگی پیدا ہوتی ہے، دن رات میں داخل ہوتا ہے نہ رات دن بنتی ہے، نیند آتی ہے نہ فرد نیند سے بیدار ہوتا ہے، لیبارٹری میں تحقیق ہوتی ہے نہ کوئی ایجاد عمل میں آتی ہے۔ قصہ مختصر — آواز نہ ہو تو دنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اپنے ہونے کا احساس آواز سے ہوتا ہے۔

ہم آواز کا مظہر ہیں اور آواز زندگی ہے۔

اللہ نے رحم کیا اور دو دن بعد اسے ہوش آ گیا۔

خبر موت کی تھی — انتہائی قریبی عزیز کی۔

جب تک ہوش آیا، تدفین کی جا چکی تھی۔ اس نے خبر سنی، بعد کے مناظر (آخری رسومات) سے بے خبر رہی اس لئے سکتہ ٹوٹنے کے باوجود بے یقینی کا پردہ تھا۔

لوگوں نے کہا کہ وقت بڑا مرہم ہے، صبر کے ساتھ یقین پیدا کر دیتا ہے۔ جب ملنے والے موت کی خبر

دہرائیں گے تو شعور رفتہ رفتہ حادثے کو قبول کر لے گا۔

اپنے عزیز کو آس پاس نہیں پایا، آواز دینے پر جواب نہیں آیا، دن رات غیر حاضری میں گزرے اور نمبر ملانے پر گھر میں رکھا فون بجنے لگا تو ذہن نے قبول کرنا شروع کیا کہ جسے میں تلاش کر رہی ہوں، وہ اب نہیں ہے۔ خیال یقین بنتے ہی آنکھیں پانی ہو گئیں۔

موت کی خبر پر ذہن مرکوز ہونے سے ہر شے پس منظر میں چلی گئی تھی۔ مگر ہوش میں آنے کے بعد بھی موجود رشتے اس کے لئے غیر موجود رہے اور — جو شخص چھوڑ کر جا چکا تھا، وہ اس کے لئے ہر خیال اور منظر میں ظاہر تھا۔

یہ فرضی کہانی یا فلسفہ نہیں، مشاہدہ ہے جس پر غور کر کے میں نے سوچا کہ اہمیت کی حامل کتنی باتیں ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جس شے پر توجہ ہوتی ہے، وہ ہمارے لئے زندہ رہتی ہے اور جس سے توجہ ہٹ جائے وہ ہمارے لئے مر جاتی ہے۔ مرنے والا اس لڑکی کے خیال اور سوچ میں زندہ تھا اور زندہ چیزیں مر گئی تھیں کیوں کہ سامنے ہوتے ہوئے بھی وہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس میں رشتے بھی شامل ہیں۔ ایک رشتہ رخصت ہوا، باقی سارے موجود ہیں۔ مگر بچھڑنے والے کے سوا ذہن کسی طرف نہیں جاتا۔

کیا ہم وہی دیکھتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں—؟ کسی کے غم سے قطع نظر میں نے سوچا کہ اگر زندگی اور موت کا تعلق توجہ سے ہے پھر مرنا کیا ہے—؟ ہم کیسی زندگی جیتے ہیں جب جینے اور مرنے کے مفہوم سے واقف نہیں—؟

پہلے لمحے پر موت طاری ہوئے بغیر دوسرا لمحہ نہیں آتا۔ جینا مرنا ایسی بیلٹ ہے جو تسلسل کے ساتھ گزر رہی ہے حتیٰ کہ فرد دوسری دنیا میں چلا جاتا ہے۔ یہ دنیا ہمارا مستقل مسکن نہیں ہے۔ ہم جہاں سے یہاں آئے ہیں، وہاں دوبارہ چلے جاتے ہیں۔ بالآخر ہونا نہ ہونا دونوں غیب کے پردے میں چھپ جاتا ہے۔

بہت سوچنے کے بعد بند گرہیں کھلیں کہ نوعیت اور شدت مختلف ہوتی ہے مگر ہم سب کسی نہ کسی طرح اس کیفیت سے گزرتے رہتے ہیں۔ ہمیں بھی ایک شے پر متوجہ ہونے سے دوسری اشیا نظر نہیں آتیں۔

★ کالج کا خیال آتا ہے، گھر میں رہتے ہوئے گھر ذہن سے نکل جاتا ہے۔ کالج میں گھر یاد آئے تو کچھ وقت کے لئے کالج کی تصویر ذہن سے مٹ جاتی ہے۔

★ کتاب پڑھتے ہوئے اسپیس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ بند کر کے میز پر رکھتے ہیں تو ذہن کتاب سے ہٹ جاتا ہے۔

★ فلم دیکھتے ہوئے خود کو اس کا حصہ سمجھتے ہیں۔ فلم ختم ہوتی ہے تو ایک طلسم سے نکل کر دوسرے طلسم میں داخل ہو جاتے ہیں جیسے دنیا کھیل تماشا ہو۔

★ چھوٹی پریشانی بڑی خوشیوں سے غافل کر دیتی ہے اور بڑی پریشانی میں چھوٹی خوشی کو ترستے ہیں۔

ہم ایک شے کا اثبات کر کے باقی اشیا کی نفی کیوں

کرتے ہیں اور پھر اسی شے کی نفی کرکے کسی اور طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔نفی اور اثبات کا جو تصور ہم نے بنایا ہے اس میں استحکام نہیں ہے۔

ایک شے کی نفی اور اسی کا اثبات کرکے زندگی گزارنا کسی طور آگے بڑھنا نہیں۔ ہم گھن چکر بن کر خود ساختہ نظریات کے دائرے میں گھوم رہے ہیں کیوں کہ ہماری ڈور الوژن کے نظریات سے بندھی ہوئی ہے جو یقین دلاتی ہے کہ مسلسل چلنے سے ہم میلوں میل طے کرچکے ہیں حالاں کہ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بھنور میں ہیں۔

فرد بیک وقت کئی کام کرتا ہے مگر توجہ ایک امر یعنی بنیادی مقصد پر مرکوز ہوتی ہے۔شادی کا گھر ہے۔گھر والے تیاریوں میں مصروف ہیں۔ سب کے ذمے کوئی کام ہے لیکن بنیادی خیال شادی ہے جس نے متعدد لوگوں کو ایک دائرے میں رکھا ہوا ہے۔

شادی کا دن آیا۔ہنسی اور قہقہوں میں کوئی پانے کے خیال سے سرشار ہے اور کسی کے چہرے پر دوری کا احساس غالب ہے۔ماحول میں خوشیاں ہیں، چراغاں کیا گیا ہے، گھر کی بیرونی دیواریں قمقموں سے جگمگا رہی ہیں، لوگوں نے رنگ برنگ کپڑے پہنے ہیں اور شادیانے بج رہے ہیں۔

خوشی کے موقع پر ایک فرد کو اداسی کے خیال سے خوشی دھندلی ہوئی اور افسردگی طاری ہوگئی۔سب کچھ ہو کر بھی اسے سوائے اپنے ذہن کے کچھ نظر نہیں آرہا اور وہ سینکڑوں لوگوں میں تنہائی محسوس کررہا ہے۔

اکثر اوقات یہی فرد جب تنہا ہوتا ہے تو چہرے پر شادمانی ہوتی ہے اور اکیلے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ شادی کے موقع پر ایک خیال سے سرشار ہوا اور خیال کا دوسرا رخ دیکھنے پر محرومی کا احساس غالب ہوگیا۔ خوشیوں بھرے ماحول میں ہر طرف مسرت و شادمانی کے لوازمات ہیں مگر فرد ماحول نظر انداز کرکے اپنے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ یہ الوژن نہیں تو اور کیا ہے!

محسوس ہوتا ہے کہ قدرت کی بنائی ہوئی دنیا کو نظر انداز کرکے ہم ذہن کی دنیا میں رہتے ہیں۔سب کے ذہن الگ ہیں لامحالہ سب کی دنیائیں الگ ہیں۔یہی تصادم کی وجہ ہے اور یہی معاشرے میں ہم آہنگی نہ ہونے کا سبب ہے۔

سوچ میں گم ہونے سے آس پاس چیزیں دھندلا جاتی ہیں اور ہر شے میں ایک خیال نظر آتا ہے۔کوئی بات کرتا ہے تو سنی ہوئی بات ان سنی ہوجاتی ہے۔ مخاطب آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتا ہے، بازو جھنجوڑتا ہے، تالی بجاتا یا چٹکی لیتا ہے — خیال دھندلا ہوکر سامنے موجود شخص واضح ہوجاتا ہے۔ہم الوژن قائم کرتے ہیں پھر اس کی نفی کرتے ہیں۔بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ اس طریقِ زندگی کے تانے بانے اس درخت سے ملتے ہیں جس کی وجہ سے ہم جنت سے

نکلے۔ سمیع وبصیر ہستی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''اور ہم نے آدم سے کہا، تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے۔ آخر شیطان نے ان کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔'' (البقرۃ: ۳۵-۳۶)

جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا ہے وہ شجرِ ممنوعہ ہے ـــــ موجود ہو کر بھی غیر موجود ہے۔ ایسی چیز کے قریب جا کر آدمی الوژن میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی حقیقت سے دور ہو کر خود پر ظلم کرتا ہے۔ غیر موجود چیزوں کو موجود جاننے اور ان کی حقیقت قرآن کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوئی ہے۔

''جنہوں نے انکار کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔''

(النور: ۳۹)

انکار، اقرار ـــ اقرار اور انکار آگہی فراہم کرتا ہے کہ دیکھنے کی طرز الوژن پر قائم ہے۔ آدمی چیز کو موجود دیکھنا چاہتا ہے، کہتا ہے کہ وہ ہے۔ اور جس سے توجہ ہٹا لیتا ہے اس کو غیر موجود گردانتا ہے۔ دیکھنے کے لئے وہ لینس استعمال ہو رہا ہے جس میں رنگ بدل رہے ہیں اور شک فتنہ بن رہا ہے۔ شک فیصلہ نہ کرنے کی اہلیت ہے جو ردّو بدل ہونے والی شے کا اقرار کر کے حقیقت سے انکار کا سبب بنتی ہے۔

اللہ نے شک اور یقین دونوں کو طاقت عطا کی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرے خالص بندے شیطانی انسپائریشن کے زیر اثر نہیں آئیں گے۔ یہ یقین کی طاقت ہے۔ دوسری طرف وسیع و عریض جنت کو چھوڑ کر نافرمانی کی طرف متوجہ ہونا شک کا مظاہرہ ہے۔

پھر اس موضوع پر آتی ہوں جس پر سوچتے ہوئے خیالات کے تارو پود بنے اور یہ تحریر ذہن کے نہاں خانوں سے صفحات پر منتقل ہوگئی۔ حاصل تفکر یہ ہے کہ ہماری زندگی الوژن میں گزر رہی ہے۔

مرنے والے سے بچھڑنے کا غم اپنی جگہ ــــ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ یہ بچھڑنے کا غم ہے یا اپنی لاعلمی کا ماتم ہے ـــ؟ وہ مرا نہیں، اس کا پیراہن بدل گیا ہے جسے ہم رنگ بدلنے والے لینس کے ذریعے دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ وہ نہیں مرا جب کہ امر ہو گیا۔ اس نے نقل مکانی کی ہے۔

موت دراصل نقل مکانی ہے، ایک مکان سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا۔ نقل مکانی سے کیا مراد ہے؟ اگر نقل مکانی سے مراد ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونا ہے پھر موت و زیست کیا ہے اور یہ الگ کیسے ہیں؟ دانش ور خواتین و حضرات قرآن کریم کے حوالے سے وضاحت کریں۔

قرۃ العین واسطی

لنگڑا ــــــ؟

شائستہ، شگفتہ، پُراثر اور لچھے دار گفتگوسن کر بے چارہ افسر موم بن کر قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔ اس نے لکھنؤ بار بار دیکھا تھا لیکن لکھنؤ کو بولتے ہوئے پہلی بار سن رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ دنیا کی ہر مٹھاس اس لکھنوی طرز گفتگو پر قربان کی جاسکتی ہے۔

ساون کے مہینے میں آم کا پیڑ، پیڑ پہ جھولا اور جھولے میں جھولتے بچے ایسی یادیں ہیں جن سے آج کے بچے محروم ہیں۔ جون جولائی کے مہینوں میں جب کالی گھٹائیں آسمان پر چھا جاتیں تو آم کے پیڑ پر پتّوں کے ہجوم میں چھپی کوئل مست ہو کر کوکنے لگتی اور بچے دیوانہ وار بارش میں نہانے نکل پڑتے۔ پیڑوں پر کچے پکے آم بارش سے دھل کر جی للچاتے اور بچوں کے ساتھ بڑوں کے لئے بھی انتظار مشکل ہو جاتا۔ شاعر نے کہا ہے،

مجھے گرمیاں ہیں جبھی تو پسند
کہ اس میں فقط آم ہی آم ہے
سرولی ہے چونسا ہے طوطا پری
کہ لنگڑے کا بھی تو بڑا نام ہے
اسے لوگ کہتے ہیں کہ جنت کا پھل
یہ بندوں پہ مولیٰ کا انعام ہے

گرمی میں ٹھنڈی تازہ ہوا کے علاوہ کوئی شے خوش گوار احساس پیدا کرتی ہے تو وہ پھلوں کے بادشاہ آم کی آمد ہے جس کے رنگ، خوش بو اور ذائقے کے سامنے سارے پھلوں کی مٹھاس اور موسم کی سختی ماند پڑ جاتی ہے۔ بچے ہوں یا بڑے، سب شوق سے آم کھاتے ہیں اور بطور پھل استعمال کے علاوہ کچے پکے آموں سے طرح طرح کے پکوان تیار کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ آم کی صحیح قدردانی مغلوں نے کی۔ یہ تمام مغل بادشاہوں کا پسندیدہ پھل تھا۔

ہندوستان میں آم کی زیادہ تر تیار قلمی قسموں کا سہرا مغلوں کے سر ہے۔ آم کا پیڑ تخمی تھا۔ مغلوں نے پیوند کاری سے اس میں قلم لگانے کو رواج دیا اور باغات قلمی آم کے پیڑوں سے سج گئے۔ کہا جاتا ہے کہ تخمی پیڑ میں قلم سب سے پہلے تیمور لنگ نے لگائی اور اس کی نگہداشت تیمور کی بڑی بہو نے کی تھی۔

جہانگیر اور شاہ جہاں خانساموں کو آم پنّا، آم کا لوز اور آم کا پلاؤ بنانے پر انعامات سے نوازتے تھے۔ شاہ جہاں کو آم اتنے مرغوب تھے کہ آموں کی وجہ سے

اس نے اپنے بیٹے اورنگ زیب کو نظر بند کر دیا تھا۔ ہوا یہ کہ بیٹے نے ایک بار سارے آم اپنے محل میں چھپا لئے۔ شاہ جہاں کو معلوم ہوا تو کچھ وقت کے لئے محل میں نظر بند کر دیا۔ ایران کے شاہ عباس کی تخت کے لئے ایک لڑائی میں اورنگ زیب نے اس کی حمایت کی اور اعلان آم کا تحفہ بھیج کر کیا۔

اکبر نے بِہار میں ایک لاکھ آم کے درختوں کا باغ لگوایا تھا۔ ''آئین اکبری'' میں بھی آم کی قسموں اور خصوصیات کی تفصیل ہے۔

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے عہد میں لال قلعے میں آم کا باغ تھا، جس کا نام حیات بخش تھا۔ ایک بار باغ کی سیر کے دوران مرزا غالبؔ ہمراہ تھے جو بڑے غور سے درختوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بہادر شاہ نے پوچھا، مرزا صاحب! درختوں کو گہری نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ مرزا غالبؔ نے کہا، بزرگوں سے سنا ہے کہ دانے دانے پر کھانے والے کی مہر لگی ہے۔ دیکھ رہا ہوں کہ ان دانوں میں کسی پر میرے نام کی مہر ہے یا نہیں؟ بہادر شاہ ظفرؔ مسکرا دیا۔ بعد میں آموں کی بہنگی مرزا غالبؔ کو بطور تحفہ بھجوائی۔

مغل آم سے ایک ڈش تیار کرتے تھے جس کو امبا قلیہ کہتے ہیں۔ اس کے اجزا یہ ہیں — مٹن ایک کلو، نمک حسب ذائقہ، دہی آدھا کپ، گھی ایک کپ، کشمش، پستہ اور بادام کے ٹکڑے دو دو کھانے کے چمچے، چینی ایک کپ، کچا آم تین پاؤ، رائس پیسٹ ڈیڑھ کھانے کا چمچ، دار چینی اور لونگ آدھا آدھا چائے کا چمچ، الائچی چار، پسی ہوئی کالی مرچ ایک چائے کا چمچ، زعفران ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔

پکانے کا طریقہ: گوشت میں دہی اور مسالے ملا کر یخنی بنا لیں پھر گوشت علیحدہ کر کے اس میں سے پانی نچوڑ لیں۔ گھی گرم کر کے گوشت ڈالیں۔ فرائی کر کے دوبارہ یخنی لونگ کے ساتھ ملائیں۔ خشک میوے ڈالیں اور علیحدہ رکھ دیں۔ اب شکر پانی میں گاڑھا گھول لیں۔ نصف آم کاٹیں۔ انہیں چھری سے گودیں اور پانی میں ابال لیں۔ اب پانی سے نکال کر شکر کے قوام میں دھیمی آنچ پر پکائیں اور پکانے کے بعد نکال لیں۔ باقی بچے آموں کو پانی میں اتنا ابالیں کہ ہاتھ سے اس کا گودا نکل جائے۔ اس گودے کو بچے ہوئے قوام میں ملائیں اور ابالیں۔ اب اس میں یخنی ملا کر دھیمی آنچ پر پکائیں۔ کڑی تھوڑی پک جائے تو اس میں بچے ہوئے آم کے ٹکڑے اور رائس پیسٹ ملائیں اور ایک بار ابال لیں۔ آخر میں زعفران چھڑک دیں۔ امبا قلیہ تیار ہے۔

آم کو مغل بادشاہوں کے علاوہ ادبی حلقوں میں بھی پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ بڑے بڑے ادیب وشعرا اس کے دیوانے تھے۔ عظیم اردو شاعر مرزا غالبؔ کی آم سے رغبت سے کون واقف نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ

آم میں دو خصوصیات ہونی چاہئیں۔ اول وہ میٹھے ہوں۔ دوم بہ کثرت ہوں۔

ایک بار غالبؔ دوست کے ہمراہ تھے۔ دیکھا کہ ایک گدھا آم کے ڈھیر تک گیا اور کھانے کے بجائے سونگھ کر واپس آ گیا۔

دوست غالبؔ کی آم کے لئے پسندیدگی سے واقف تھا جب کہ اسے آم مرغوب نہیں تھے۔ اس نے چوٹ کی، دیکھا! گدھا بھی آم نہیں کھاتا۔

غالبؔ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا، بالکل! صرف گدھا ہی آم نہیں کھاتا۔

دوست اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

کتابوں میں اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ مرزا غالبؔ آم کھا رہے تھے۔ ایک دوست ملاقات کے لئے آئے۔ غالبؔ نے توجہ دی نہ آم پیش کئے، کھانے میں مشغول رہے۔ دوست کو سبکی محسوس ہوئی۔ اس نے طنز کیا، ہمارے علاقے میں اتنے آم ہوتے ہیں کہ گدھے بھی نہیں کھاتے۔ مرزا غالبؔ نے کہا، جی ہاں! گدھے ہی آم نہیں کھاتے۔

مرزا غالبؔ کے کئی خطوط میں آموں کا ذکر ہے۔ دوست کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

’’آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں۔ انگور سے کم عزیز نہیں۔ مالدے کا آم یہاں پیوندی اور ولایتی کر کے مشہور ہے، اچھا ہوتا ہے۔ یہاں دیسی آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ، لذیذ خوش بو، افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رام پور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں سے اکثر بسبیلِ ارمغان بھیجتے رہتے ہیں۔

شیخ محسن الدین مرحوم سے بطریقِ تمنا کہا گیا تھا کہ جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں، طاقت کہاں سے پاؤں، آموں کی طرف نہ رغبت، نہ معدے میں اتنی گنجائش۔ نہار منہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد بھی آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں۔ ہاں! بعد ہضمِ معدی آم کھانے بیٹھ جاتا ہوں۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں اتنے آم کھاتا تھا کہ پیٹ بھر جاتا تھا اور دَم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں مگر دس بارہ۔ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات۔‘‘

نثر کے علاوہ غالبؔ کی شاعری میں بھی آم کا ذکر ہے۔ ایک مثنوی میں کہتے ہیں۔ ترجمہ:

’’قدیم ایران میں خسرو پرویز نامی بادشاہ گزرا ہے جس کے پاس موم کی طرح نرم و ملائم سونا تھا۔ وہ اس سے مشغلے کے طور پر مختلف اشکال بنا کر دل بہلاتا تھا۔ اگر اس کی رسائی آم تک ہوتی اور وہ آم کی قدر و قیمت جانتا تو موم جیسے سونے کو دور پھینک دیتا جو صرف رنگت میں آم کی طرح تھا مگر قدر و قیمت میں اس کے سامنے ہیچ تھا۔‘‘

ذیل میں شعر مرزا غالبؔ سے موسوم کیا جاتا ہے جب کہ یہ ان کے شعر کی تبدیل شدہ شکل ہے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
اک ایسا تیر سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے

حالاں کہ شعر یوں ہے،

آموں کا ذکر تو نے جو چھیڑا ہے ہم نشیں
اک آم ایسا سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے

مولانا الطاف حسین حالیؔ ''یادگار غالبؔ'' میں لکھتے ہیں کہ غالبؔ کو آموں کی تاریخ کا علم تھا۔ اپنے دوست مولوی صدرالدین آزردہ کو ایک مکتوب میں آموں کی تاریخ کے بارے میں لکھا کہ ہندوستان میں آم کی کاشت چار ہزار سال سے جاری ہے۔

غالبؔ کی آموں سے محبت یہیں تک نہیں۔ ایک نظم ''در صفت انبہ'' میں اسے بہشت کا پھل کہا ہے۔

باغبانوں نے باغ جنت سے
انگبیں کے، بہ حکم رب الناس
بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
مدتوں تک دیا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
رونق کارگاہ برگ و نوا
نازش دودمان آب و ہوا
رہروِ راہ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ کی ''آم پسندی'' کے قصے مشہور ہیں۔ ایک بار بیمار ہوئے تو طبیب نے میٹھا چھوڑنے کو کہا اور آموں کا پرہیز لکھ دیا۔

مضطرب ہو کر بولے، آم نہ کھا کر مرنے سے آم کھا کر مر جانا بہتر ہے۔ اصرار بڑھا تو طبیب نے روزانہ ایک آم کھانے کی اجازت دے دی۔

انہوں نے ملازم کو تاکید کی کہ بازار میں جو آم سب سے بڑا نظر آئے وہی خریدنا۔

مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں،

''ایک دن عیادت کے لئے علامہ صاحب کی قیام گاہ پر حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے سامنے ایک سیر وزن کا ''بمبئی آم'' رکھا ہے اور کاٹنے کے لئے چھری اٹھا رہے ہیں۔ عرض کیا کہ آپ نے پھر بدپرہیزی شروع کر دی۔ فرمانے لگے، حکیم صاحب نے دن میں ایک آم کھانے کی اجازت دے دی ہے اور یہ آم بہرحال ایک ہی تو ہے۔''

لکھنؤ میں آموں کی بہار سے متعلق ایک تحریر پڑھی جس کے مصنف کا نام نہیں معلوم۔

''آم کا موسم آتے ہی لکھنؤ والے صبر کے پھل کے علاوہ صرف آم کھاتے ہیں، آم کھلاتے ہیں، افسروں کے یہاں آم کی پیٹیاں پہنچاتے ہیں اور موقع ملتے ہی خود پہنچ جاتے ہیں۔ میرے ایک شناسا، جن کے آم کے باغات ہیں، وہ کسی افسر کے یہاں آم کی پیٹی لے کر پہنچ گئے۔

افسر نے شکر یہ ادا کرتے ہوئے آم کی پیٹی قبول کرنے سے معذرت کی اور تاویل پیش کی کہ شوگر کی وجہ سے وہ اور اہلیہ میٹھے سے پرہیز کرتے ہیں۔

میرے دوست مسکرائے اور کہنے لگے، جناب! اسی واسطے خاص قسم کے آم لے کر خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ شوگر فری آم ہیں۔ بلکہ ایک طرح سے یہ شوگر کا علاج ہیں۔ وہ صاحب حیرت میں پڑ گئے۔ حیرت کچھ کم ہوئی تو پوچھا کہ جناب پہلی بار سن رہا ہوں کہ آم شوگر فری ہو سکتے ہیں۔

میرے دوست پہلے تو جی بھر کے مسکرائے پھر کہنے لگے، سرکار! یہ آم کی خاص قلمی قسم ہے جو اِس فقیر نے پیدا کی ہے۔ آم اور جامن کی قلموں کو ملا کر یہ آم پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان میں مٹھاس پنپ نہیں سکتی۔ جیسے ہم زلف کے درمیان محبت نہیں پنپتی۔ اس کے ذائقے میں خوش دامن (ساس) جیسی جو تھوڑی سی ترشی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ گھر داماد کی طرح سال بھر اس نسل کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ یہ آم خوش رنگ ہوتا ہے کیوں کہ ہمیشہ سالیوں اور بیوی کی سہیلیوں جیسے درختوں سے گھرا رہتا ہے۔ خوش نصیب یوں ہے کہ اسے قسمت سے آپ جیسے اعلیٰ افسر نصیب ہو گئے ہیں۔

شائستہ، شگفتہ، پُر اثر اور لچھے دار گفتگو سن کر بے چارہ افسر موم بن کر قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔ اس نے لکھنؤ بار بار دیکھا تھا لیکن لکھنؤ کو بولتے ہوئے پہلی بار سن رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ دنیا کی ہر مٹھاس اس لکھنوی طرز گفتگو پر قربان کی جا سکتی ہے۔ ایسی ایسی خوش لباس تاویلوں کے درمیان رکھا ہوا زہر کا پیالہ بھی پیا جا سکتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ یہ لکھنؤ ہے، نہ جانے کتنے ہی سقراط یہاں اَنشا اور یگاؔنہ کی طرح قطرہ قطرہ زندگی کا زہر پی کر پیوند خاک ہو چکے ہیں۔

بے چارے افسر نے موصوف سے پوچھا کہ آم کا موسم چلے جانے کے بعد آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے فوراً جواب دیا، سرکار! آموں جیسی باتیں کرتے ہیں۔''

آم کا ذکر قدیم و جدید تمام شعرا اور افسانہ نگاروں نے کسی نہ کسی طرح سے ادب میں کیا ہے۔ ایک شاعر شاہین اقبال اثؔر لکھتے ہیں،

ہو رہا ہے ذکر پیہم آم کا
آرہا ہے پھر سے موسم آم کا
نظم لکھ کر اس کے استقبال میں
کر رہا ہوں خیر مقدم آم کا
ان سے ہم رکھیں زیادہ ربط کیوں
شوق جو رکھتے ہیں کم کم آم کا
تب کہیں آتا ہے میرے دم میں دم
نام جب لیتا ہوں ہمدم آم کا
شوق سے پڑھتے ہیں اس کو خاص و عام
جب قصیدہ لکھتے ہیں ہم آم کا
کیا کہوں اسمار کی فہرست میں
نام ہے سب سے مقدم آم کا
اک فقط میں ہی نہیں شیدا اثؔر
شیدا ہے عالم کا عالم آم کا

شاعر وصحافی چراغ حسن حسرتؔ کا قد لمبا تھا۔ایک روز بازار گئے۔آموں کا موسم تھا۔دکان دار سے بھاؤ پوچھا۔اس نے پانچ آنے سیر بتایا۔

حسرتؔ نے کہا، میاں ! آم تو بہت چھوٹے ہیں۔ قیمت زیادہ بتا رہے ہو۔

دکان دار نے کہا، میاں ! نیچے بیٹھ کر دیکھو آم چھوٹے ہیں یا بڑے۔قطب مینار سے بڑی شے بھی چھوٹی نظر آتی ہے۔

آم کے بارے میں سید سلیمان ندوی کا ایک واقعہ مشہور ہے۔افغانستان کے سفر کے دوران کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ملک میں ہمارے سیب جیسا پھل ہوتا ہے؟

جواب دیا، ضرور ہوتا ہے اور اسے آم کہتے ہیں۔

اس نے پوچھا، کیا آپ کے یہاں ہمارے انگور جیسا شیریں پھل بھی ہے؟

انہوں نے کہا، ضرور ہے اور وہ آم ہے۔

افغانی نے تعجب سے پوچھا، اور سردا — ؟ کیا آپ کے یہاں ہمارے سردے جیسا لذیذ پھل ہے؟

جواب دیا، جی ہاں! آم ہے۔

سوال کرنے والے نے عاجز ہو کر کہا، بھائی! آم کے علاوہ بھی کوئی پھل تمہارے یہاں ہے؟

سید سلیمان ندوی نے کہا، پہلے آم کی قسمیں ختم ہو جائیں اس کے بعد کسی اور پھل کا نام لوں گا۔

آسماں پر کالے بادل چھا گئے
گھر کے اندر آئنے دھندلا گئے
کیا غضب ہے ایک بھی کوئل نہیں
سب بغیچے آم کے منجرا گئے
گھٹتے بڑھتے فاصلوں کے درمیاں
دفعتاً دو راستے بل کھا گئے
ڈوبتا ہے آکے سورج ان کے پاس
وہ دریچے میرے دل کو بھا گئے
شہر کیا دنیا بدل کر دیکھ لو
پھر کہو گے ہم تو اب اکتا گئے
سامنے تھا بے رخی کا آسماں
اس لئے واپس زمیں پر آ گئے
یاد آیا کچھ گرا تھا ٹوٹ کر
بے خودی میں خود سے کل ٹکرا گئے
حرمت لوح و قلم جاتی رہی
کس طرح کے لوگ ادب میں آ گئے
ہوگئی ہے شعلہ زن ہر شاخ گل
بڑھ رہے تھے ہاتھ جو تھرّا گئے
دھنس گئے جو رک گئے تھے راہ میں
دیکھتے تھے مڑ کے جو پتھرا گئے
گھر کی تنہائی جب آنگن ہوگئی
یہ ستارے کیا قیامت ڈھا گئے
تھے مخاطب جسم لہجے بے شمار
جاں بلب ارماں خلشؔ غزلا گئے
(کلام: بدر عالم خلشؔ)

زاہدہ تبسم

ماں پہ پوت پتا پر گھوڑا

39 سال کی عمر میں دونوں بھائیوں کے ملنے پر نہ صرف ہم نام ہونے کا انکشاف ہوا بلکہ زندگی کے واقعات میں دلچسپ مماثلت سامنے آئی۔

محترم عظیمی صاحب واقعہ سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ برطانیہ کے دورے پر جس گھر میں قیام تھا، وہاں عمارت میں جڑواں بہنیں تھیں۔ وہ عمارت سے باہر کھڑے کسی کے منتظر تھے کہ دیکھا جڑواں بہنوں میں سے ایک بچی سڑک پر تھی۔ جب کہ اس کی بہن اپنے گھر، دوسری منزل پر۔ الماری گری اور گھر میں موجود بہن کے چہرے پر چوٹ لگی۔ اس بات کی نیچے موجود لوگوں کو خبر نہیں ہوئی مگر سڑک پر موجود بہن فوراً اوپر گئی۔ میں نے بھی اوپر کا رخ کیا۔ دیکھا کہ جس لڑکی پر الماری گری تھی اس کے چہرے کا دایاں حصہ نیلا ہو گیا ہے۔ والدین سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تھوڑی دیر میں جڑواں بہن کے چہرے پر بھی یہی اثرات ظاہر ہو جائیں گے، اور ایسا ہی ہوا۔

قارئین! یہ واقعہ سن کر میں نے جاننے کی کوشش کی کہ جڑواں افراد میں ذہنی و جسمانی مماثلت کی وجہ کیا ہے۔ نظر سے کئی مثالیں گزریں۔

1943ء کی بات ہے کہ برطانیہ میں مماثل جڑواں بہنوں گریٹا چیپلن اور فریڈا چیپلن کی پیدائش ہوئی۔ ان کی زندگی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا دو جسموں میں ایک روح سمائی ہوئی ہے۔

چیپلن بہنیں 38 برس کی عمر میں ہمسائے کو تنگ کرنے کے الزام میں عدالت میں پیش ہوئیں۔ سوال جواب کے دوران عدالت میں موجود افراد کو معلوم ہوا کہ دونوں بہنیں ایک ساتھ بولتی ہیں اور جواب دینے کا انداز ایک ہے۔ چال ڈھال دیکھ کر لوگ عموماً خوف زدہ ہو جاتے تھے، انہیں جادوگرنیاں سمجھتے اور ان کو دیکھ کر راستہ بدل لیتے تھے۔

ماہرینِ نفسیات نے دونوں بہنوں کو خاکی رنگ کے مماثل کوٹ دیئے۔ ایک کوٹ میں سبز بٹن اور دوسرے میں بٹن کا رنگ خاکی تھا۔ بہنوں نے بٹن نکال کر دونوں کوٹوں میں یک رنگ بٹن لگا دیئے۔

چیپلن بہنیں کہتی تھیں کہ ہمیں دو ہونے کا احساس نہیں ہوتا، ہمارا دماغ ایک ہے اس لئے معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرا کیا سوچ رہا ہے۔ دور ہونے پر بہنیں

پریشان ہوجاتی تھیں۔ یہ سلسلہ 2007ء میں گریٹا کی موت پر ختم ہوا۔

گریٹا اور فریڈا کی طرح آسٹریلیا سے تعلق رکھنے والی جڑواں بہنوں انجیلا اور ایلینا میں بھی پُراسرار ربط سامنے آیا۔ پانچ سال کی عمر سے وہ ساتھ بیمار اور درد کا شکار ہوتی رہیں۔ بچپن میں انجیلا کے ٹونسلز کا آپریشن ہوا عین اسی وقت 300 کلومیٹر دور جڑواں بہن نے گلے میں سوزش محسوس کی۔

اسی طرح ایلینا کو لندن ٹاور کی سیڑھیوں پر گھٹنے میں چوٹ لگی تو دور موجود انجیلا کو اس لمحے گھٹنے میں شدید درد شروع ہوا۔ لباس اور جوتے غیرارادی طور پر اکثر ایک جیسے ہوتے تھے۔ دونوں بہنوں کی زندگی میں ایسے کتنے ہی واقعات ہیں۔

1933ء میں امریکی ریاست Iowa میں جڑواں بہنیں لیوونا اور لیولڈا پیدا ہوئیں۔ خدوخال اور صحت میں حد درجے مماثلت تھی۔ ان میں ایکسٹرا سینسری پرسیپشن یعنی 'اضافی حسّی ادراک' کی طرز کا ربط تھا۔ ایک دوسرے کا درد محسوس کر لیتی تھیں اور اکثر یکساں مرض میں ایک ساتھ مبتلا ہوجاتی تھیں۔

ایک مرتبہ لیولڈا اسکول میں سیڑھیوں سے گر گئی۔ ملازم دوسری بہن کو خبر دینے گیا تو دیکھا کہ لیوونا بھی بے ہوش ہے۔ جب متعدد جڑواں بچوں پر ایک ساتھ تجربات کئے گئے تو اضافی حسّی ادراک کے لحاظ سے یہ دونوں بہنیں سرفہرست تھیں۔

جڑواں بچوں کی پیدائش والدین اور رشتہ داروں کے لئے خوشی کا باعث ہے۔ عموماً ان بچوں کی طبیعت اور خصوصیات میں یکسانیت اور رجحانات میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر ہم شکل جڑواں بچے سب کی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔

والدین کے طرزِ عمل اور ماحول سے بچوں میں یکساں عادات ابھرتی ہیں لیکن لازم نہیں ہے کہ جڑواں بچوں کی مشترکہ صفات کی وجہ یکساں ماحول ہو۔ مثالیں موجود ہیں کہ پیدائش کے بعد جب جڑواں بچوں کی الگ خاندانوں میں پرورش ہوئی، ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی پھر بھی طرزِ زندگی میں مماثلت پائی گئی۔

جڑواں بچوں پر سب سے پہلے باقاعدہ تحقیق فرانسس گالٹن نے 1875ء میں کی۔ یہ تحقیق اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں جینز اور ماحول کا کردار زیرِ بحث آتا ہے۔ فرانسس گالٹن نے نتیجہ مرتب کیا کہ فطرت کا اثر ماحول سے زیادہ ہے۔ اس حوالے سے 1979ء میں یونیورسٹی آف منیسوٹا کے ماہر نفسیات تھامس بوچرڈ کی کاوشیں نمایاں ہیں۔ اس نے جینز اور ماحول کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے الگ الگ مقامات پر پرورش پانے والے جڑواں افراد پر تحقیق کی۔ تحقیق سے دلچسپ مثالیں سامنے آئیں۔

1933ء میں جرمن بیوی اور روسی شوہر کے گھر جڑواں بیٹوں آسکر اسٹوہر اور جیک یوفی کی پیدائش ہوئی ۔میاں بیوی کا مذہب اور زبان الگ تھی۔ ماں باپ میں جھگڑے کے نتیجے میں ماں آسکر کو جرمنی لے گئی جب کہ دوسرا بیٹا جیک یوفی یہودی باپ کے پاس ٹرینی ڈاڈ میں رہا۔جرمنی میں پرورش پانے والے آسکر کے جذبات یہودیوں کے لئے منفی تھے جب کہ جیک یوفی باپ کے مذہب پر سختی سے کاربند تھا۔اس کے باوجود بھائیوں کی عادات عجیب یکساں تھیں ۔وہ کتاب یا رسالے کو پہلے صفحے کے بجائے آخری صفحے سے پڑھتے تھے۔ دونوں کو کلائی میں ربڑ بینڈ پہننے کی عادت تھی۔مسالے دار غذا اور مکھن کھانے کے شوقین تھے۔خواب میں ایک دوسرے کو قتل کرتے دیکھا۔ مذاق کرنے کی عادت بھی عجیب تھی۔ برسوں بعد دونوں بھائی منیسوٹا کے ایئر پورٹ پر ملے تو ان کا لباس اور عینک ایک جیسی تھی۔ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے قاصر تھے مگر اشکبار آنکھوں سے گلے ملے۔

مختلف ماحول میں پرورش پانے والے جڑواں بچوں کی تحقیق میں مشہور مثال جڑواں جمز کی ہے ۔نام جم لیوس اور جم اسپرنگر تھے۔1940ء میں پیدا ہوئے۔ چار ہفتے کی عمر میں دو مختلف خاندانوں نے انہیں گود لیا اور دونوں نے بچوں کا نام جم رکھا۔39 سال کی عمر میں دونوں بھائیوں کے ملنے پر نہ صرف ہم نام ہونے کا انکشاف ہوا بلکہ زندگی کے واقعات میں دلچسپ مماثلت سامنے آئی۔

Linda نامی خواتین سے طلاق ہوئی۔

Betty نام کی خواتین سے شادی کی۔

ان کے بیٹوں کا نام جیمز تھا۔

گود لینے والی خواتین کا نام لیری تھا۔

پٹرول پمپ اور ریستوران میں ملازمت کی۔

دونوں کا مشغلہ لکڑی کا کام تھا۔

تلفظ میں دونوں کم زور اور ریاضی میں اچھے تھے۔

چھٹیاں فلوریڈا کے ایک ہی ساحل پر گزارتے تھے۔

دونوں 18 سال کی عمر سے سر درد میں مبتلا ہوئے۔

ہم وزن اور قد یکساں تھا۔ایک قسم کی دل کی بیماری تھی۔

ناخن کترنے کی عادت تھی۔

یونیورسٹی آف منیسوٹا کی تحقیق نے انسانی زندگی پر جینز اور ماحول کے اثرات کے حوالے سے نیا زاویہ دیا ہے۔تاہم یہ سوال موجود ہے کہ بیان کی گئی مثالوں میں واقعات اور حالات کیا محض اتفاق ہیں؟

دنیا بھر میں جڑواں افراد کی پیدائش کی شرح تقریباً تین سے چار فی ہزار ہے۔وسطی افریقا میں شرح زیادہ اور ایشیائی ممالک میں کم ہے۔البتہ ایک غیر معمولی مثال بھارت میں کیرالہ کے گاؤں کی ہے جہاں بیک وقت 220 سے زائد جڑواں افراد ہیں ۔ سال بہ سال ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ محققین وجوہات کی تلاش میں ہیں ۔1961ء میں برطانیہ میں سروے

ہوا۔ شرکا میں سے 39 فی صد جڑواں افراد نے بتایا کہ ان میں خیالات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

ہر سال اگست کے پہلے ہفتے میں امریکا میں Twinsburg میں جڑواں افراد کا سب سے بڑا اجتماع Twinsday کے نام سے ہوتا ہے۔ اس میں ایک وقت میں پیدا ہونے والے تین، چار اور پانچ بہن بھائی بھی شرکت کرتے ہیں۔ یہاں مختلف اوقات میں متعدد سروے کئے گئے ہیں جن کے مطابق جڑواں افراد میں ذہنی ربط، خوابوں میں یکسانیت اور بیک وقت تکلیف محسوس ہونا پایا جاتا ہے لیکن وہ کئی باتوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ جڑواں بچوں میں حیرت انگیز ذہنی ربط اور ٹیلی پیتھی کے سائنسی دلائل موجود نہیں ہیں۔ ماہر نفسیات اور محقق نینسی سیگل اپنی کتاب ''ٹوئن متھ کنسیپشنز'' میں لکھتی ہیں:

''جڑواں افراد کے درمیان ٹیلی پیتھی محض آپس میں محبت اور ربط کا عکس ہے۔ جن بچوں کی علیحدہ گھروں میں پرورش ہوئی، ان میں مماثلت کی وجہ جینز کا یکساں ہونا ہے۔ عادات میں غیر معمولی یکسانیت محض اتفاق ہے، مافوق الفطرت بات نہیں۔ یہ مماثلت صرف ایک فی صد کیسوں میں نظر آتی ہے۔''

نینسی سیگل نے ایسے افراد کا بھی مطالعہ کیا جن کی پرورش ایک خاندان میں ہوئی مگر وہ بہن بھائی نہیں تھے لہٰذا ان میں بہت کم چیزیں مشترک تھیں۔ جب کہ وہ جڑواں بچے جن کی پرورش الگ الگ ماحول میں ہوئی ان میں اشتراک زیادہ تھا۔ وجہ جینز کا یکساں ہونا ہے۔

1960ء میں محققین نے چار جڑواں بہنوں پر تحقیق کی جن کو 24 سال کی عمر میں شیزوفرینیا ہو گیا تھا۔ چاروں کی علامات مختلف تھیں۔

قرآن کریم کے مطابق مخلوق معین مقداروں سے مرکب ہے۔ مقداریں برقرار رہنے کے ساتھ نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں۔ مقداریں روشنیاں ہیں جو خاص تناسب میں ردّوبدل ہو کر نوعوں کی تخلیق کرتی ہیں۔ روحانیت میں ان روشنیوں کو ''نسمہ مرکب'' کہتے ہیں۔

نظریۂ رنگ و نور کے مطابق نسمہ مرکب کی لہریں فرد کا شعور ہیں۔ شعور جتنا لاشعور سے قریب ہے، اسی کے مطابق نشوونما پاتا ہے۔ نسمہ کا کردار کیا ہے—؟

نسمہ خیال قبول کر کے جینز کو منتقل کرتا ہے۔ جینز خلیات کو ہدایت دیتے ہیں اور خیال مظہر بن جاتا ہے۔ اس طرز پر ساری زندگی جینز کی ہدایات پر عمل ہوتا ہے۔ نسمہ کی لکیریں حرکات و سکنات بنتی ہیں۔ بھوک، پیاس، سکون، غصہ، محبت، نفرت اور تمام تقاضے ان لکیروں سے بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔''

(المؤمنون: ۱۲)

نطفہ اور بیضہ کے ملاپ سے علقہ (زائیگوٹ) بنتا ہے اور علقہ تقسیم در تقسیم ہو کر مضغہ (بلاسٹوسسٹ) بن جاتا ہے۔ علقہ ظاہر ہونے کے چھ دن بعد قرار مکین

(رحمِ مادر) میں پیوست ہوجاتا ہے۔

جینز فرد کا نوعی ریکارڈ ہے جو 50 فی صد ماں اور 50 فی صد باپ سے ملتا ہے۔ بہن بھائیوں میں ڈی این اے میں موجود جینز کی نصف ترتیب مختلف اور نصف ترتیب میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ جڑواں افراد کی پیدائش میں یہ بات منفرد ہے کہ علقہ (زائیگوٹ) کی تقسیم کے نتیجے میں ایک سے زیادہ جنین (ایمبریو) کی نشوونما ہوتی ہے اس طرح مماثل جڑواں بچے یکساں ڈی این اے رکھتے ہیں۔ مماثل جڑواں بچوں کی ذہنی اور جسمانی صحت ملتی ہے البتہ انگلیوں کے نشانات مختلف ہوتے ہیں۔ دماغ یکساں نہیں ہوتا کیوں کہ سیکھنے کے عمل سے دماغی ساخت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

ان بچوں میں رابطے کی ابتدا ماں کے رحم میں ہوتی ہے۔ مثلاً چھونا، محسوس کرنا وغیرہ۔ بعض اوقات ایک آنول نال سے منسلک ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی زبان (ٹوئن لینگویج) کی شروعات بھی اس مرحلے سے ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے درمیان رحمِ مادر سے ہی قریبی تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں،

ماں پہ پوت پتا پر گھوڑا
بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا

یعنی بچہ ماں باپ کی طرزِ فکر کا عکس ہے۔

نیوروسائنس کے مطابق انسانی دماغ ضرورت سے متعلق اپنے لئے سرکٹ کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ سرکٹ سے مراد ہے کہ دماغی اعصاب کے درمیان میں روابط بنتے ہیں۔ دماغ ان روابط کے مطابق سماعت، بصارت اور گویائی وغیرہ کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد ماحول کے مطابق یہ پروگرام چلتے اور رکتے ہیں۔ جہاں ماحول کی اثر اندازی کم سے کم ہوتی ہے وہاں جڑواں افراد کے درمیان میں غیر معمولی ذہنی ربط نظر آتا ہے۔ کیوں کہ دیگر بچوں کی نسبت وہ لاشعوری طور پر ایک دوسرے سے زیادہ قریب رہے ہیں۔ شعور جو کچھ لاشعور سے قبول کرتا ہے وہی اس کی زندگی بن جاتی ہے۔ قلندر شعور کے تناظر میں دیکھیں تو بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے اس کا ذہن شعوری لحاظ سے خالی سلیٹ کی مانند ہوتا ہے البتہ لاشعوری طور پر وہ پوری کائنات سے واقف ہے۔

مضمون میں بیان کئے گئے واقعات کم یاب ہیں تاہم قدرت نادر و نایاب مثالوں کے ذریعے ہمیں تخلیق کے اسرار و رموز کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

قارئین! آپ نے ایک سے دو اور دو سے چار بچوں کی ولادت سے متعلق تجربات پڑھے۔ علوم کا ایک بنیادی رخ وہ ہے جو کسی مکتب میں نہیں پڑھایا جاتا کیوں کہ اس سے متعلق قاعدہ کسی زبان میں نہیں ہے۔ اللہ کی لاشمار صفات میں سے ایک صفت تخلیق ہے۔ تخلیق میں نسمہ کا کردار اہم ہے۔ علم دوست خواتین و حضرات اگر اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہیں تو سوال کرسکتے ہیں۔ (ادارہ)

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

سرورق کی تشریح

رب ذوالجلال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وحدت و کثرت کا قانون بیان فرمایا ہے،

''اے لوگو! اپنے رب کے لئے تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔'' (النسآء: ۱)

آیت میں روح اور جسم کی تخلیق کا ذکر ہے۔ روح جب تک جسم میں ہے، آدمی زندہ ہے۔ روح نکلنے پر سب جسم کو لاش کہتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ تخلیق میں مرکزی حیثیت روح کی ہے۔ بعدازاں روح کی پرتوں (مرد و عورت) کا ذکر ہے۔ ہر پرت میں روح ایک ہے اسی لئے جوڑا کہا گیا ہے۔ جوڑا ایسی شے ہے جو ایک ہونے کے باوجود دو میں تقسیم ہوتی ہے اور تقسیم لباس سے برقرار رہتی ہے۔ یہی لباس وہ وجود ہے جس کا ذکر مارچ 2020ء کے سرورق پر سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ کے کلام میں ہے۔ کلام کا منظوم ترجمہ صفحہ نمبر 36 پر دیا گیا ہے۔

رموز عشق کو پڑھ دل کے لوح پر اپنے   کہ اس کے نکتہ کے حل کی کوئی کتاب نہیں
گزر وجود سے اپنے جو ہو خدا طلبی   سوا وجود کے تیرے کوئی حجاب نہیں

وجود کھربوں خلیات سے مرکب ہے۔ ہر خلیہ ایک سے دو میں تقسیم ہوتا ہے پھر معین مقداریں پوری ہونے تک ضرب در ضرب ہوتا رہتا ہے۔ یعنی ایک خلیہ کھربوں خلیات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی صناعی دیکھیں کہ تقسیم کے باوجود سارے خلیات مرکب ہیں جو اشارہ ہے کہ خلیے کی کھربوں خلیات میں تقسیم مفروضہ ہے۔ جب تک آدمی اس مفروضے سے نہیں نکلتا، حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ اللہ کی معرفت عطا کرنے والی آنکھ دل ہے۔ (بی بی اللہ رکھی۔ لاہور)

مارچ 2020ء کے سرورق پر رازِ طریقت بیان ہے کہ اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ دل کی آنکھ سے ہوتا ہے۔ ظاہری وجود کو اپنا تشخص سمجھنا حقیقی مشاہدے میں رکاوٹ ہے۔ جب تک فرد ظاہر سے نہیں گزرتا، رموز عشق پڑھنے کے لئے دل کی لوح پر سے حجاب نہیں اٹھتا۔ اس کے لئے اللہ کے دوستوں کی قربت ضروری ہے کہ دوست تک رسائی، دوست کی نسبت سے ہوتی ہے۔ دانشور فرماتے ہیں،

''جب مٹی کا پتلا اور خواہشات کا خول محل توجہ نہیں رہتا تو پتلے کے اندر موجود سسٹم آشکار ہو جاتا ہے۔ خفی جلی اور غیب شہود بنتا ہے، محدودیت لامحدودیت سے مغلوب ہوتی ہے اور حزن وملال، اطمینان قلب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔''

سکون صرف اندر کی دنیا میں داخل ہو کر ملتا ہے کیوں کہ اندر میں زبان، رنگ، نسل اور خدوخال کی تفریق نہیں ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

(ڈاکٹر زبیر احمد۔ کراچی)

رموزِ عشق دل کی لوح پر پڑھے جاتے ہیں۔ دل کے علاوہ کوئی کتاب نہیں جو بتائے کہ رموزِ عشق کیا ہیں۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تو اللہ کا بننا چاہتا ہے تو اپنے وجود سے گزر جا کہ اس راہ میں تیرے علاوہ کوئی حجاب نہیں۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہارونیؒ فرماتے ہیں،

''عشق کا راستہ اپنی ذات کی آگہی سے طے ہوتا ہے۔''

عشق صدقِ خلیل ہے، عشق صبرِ حسینؓ ہے، عشق ـــ معرکۂ بدر و حنین ہے۔ وجود کے مرحلے سے گزر کر سلطان الہند نے فرمایا،''یار دم بدم و بار بار می آید''۔ (پ۔ط۔چ)

اپریل 2020ء کا سرورق مٹی سے مختلف رنگوں کی تخلیقات ظاہر کرتا ہے۔ لوحِ محفوظ سے انوار لہروں کی شکل میں نزول کرتے ہیں اور مختلف عالمین سے گزر کر عالمِ ناسوت کی اسکرین پر رنگوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ زمین کا بنیادی عنصر مٹی ایک بساط ہے جس میں تخلیق کے سارے رنگ موجود ہیں۔ شہباز کی بلند پرواز، تیز نگاہ اور پھرتی تمام پرندوں میں منفرد ہے۔ لیکن جس کو ہم شہباز سمجھتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے ـــ؟ اس کے پر و پرزے کتنے حسین کیوں نہ ہوں، مٹی کے ذرّات ہیں اور ذرّات کی حقیقت گھٹنا، بڑھنا اور گھٹ کر چھپنا ہے۔ ان پروں کو طاقتِ پرواز اور رفتار خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہے جس نے شہباز کے سانچے میں روح پھونکی ہے۔ دیکھنے والا شہباز دیکھتا ہے جب کہ شہباز ـــ دم ساز کی صناعی کا مظہر ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پر و پرزے تو یہی ذرّے ہیں البتہ کہ صنّاع ہے اس کا دم ساز

(حریم ناز۔ جدہ، سعودی عرب)

شعور دیکھتا ہے کہ رنگوں سے بنے ہوئے اجسام مرنے کے بعد مٹی میں غائب ہوجاتے ہیں ۔ یہ رنگ مٹی میں ملنے سے پہلے کہاں سے آئے ___ ؟ چوں کہ انواع میں پرندے سب سے زیادہ رنگین ہیں لہٰذا خیال آیا کہ اپریل 2020ء کے سرورق پر پرندوں کا ہونا رنگ ، نقوش اور ان کی ترتیب میں پنہاں راز کی طرف متوجہ کرتا ہے ۔ افراد کائنات میں امتیاز رنگوں کی مقداروں سے ہے ۔ سرورق پر ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی رباعی کے پہلے مصرعے میں متوجہ کیا گیا ہے کہ ہمارا لاشعور زندگانی کا راز جانتا ہے ۔

مرنے سے پہلے رنگوں کی تقسیم الگ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد ترتیب بدل جاتی ہے ۔ ترتیب بدلنے سے مراد تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے کیوں کہ اللہ کی سنت تبدیلی اور تعطل سے مبرّا ہے ۔ ترتیب بدلنے سے مراد اسپیس کی تبدیلی ہے ۔ پھیلے ہوئے رنگ مرنے کے بعد ایک نقطے میں سمٹ آتے ہیں ۔

سرورق پر جہاں ''تخلیق کا راز'' لکھا ہے وہاں سفید رنگ ہے ۔ سفید رنگ کو نور سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ نور خود کو ظاہر کرنے کے لئے روشنی کے زون میں داخل ہوتا ہے ، روشنی ظاہر ہونے کے لئے گیسوں کے زون میں منتقل ہوتی ہے جس کو نسمہ یا ہیولا کی دنیا کہتے ہیں ۔ گیسوں کے تعامل (ری ایکشن) سے رنگوں کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ سرورق پر نیلا رنگ لطیفہ خفی کی طرف اشارہ ہے جہاں سارے مظاہر کی اصل ہے ۔ روحانی مسافر رنگ و روشنی میں تفکر سے جان لیتا ہے کہ باہر کچھ نہیں ، سب اندر ہے ۔ (خالدہ زبیر ۔ کراچی)

راز کی بات: نوجوان نے صاحبِ عقل وفہم سے پوچھا کہ عقل مند بننے کا راز کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا ، جواب بہت آسان ہے ، حال میں رہنا شروع کرو ، عقل مند ہوجاؤ گے ۔ دیکھو ! جب میں کھانا کھاتا ہوں ، اس وقت صرف کھانا کھاتا ہوں ۔ سوتا ہوں تو اس وقت صرف آرام کرتا ہوں اور بات کرتا ہوں تو اس موقع پر کوئی اور کام نہیں کرتا ۔ نوجوان نے کہا کہ اس میں کیا انہونی ہے ، یہ تو میں بھی کرتا ہوں ۔

صاحبِ عقل وفہم نے فرمایا ، تم ایسا نہیں کرتے ۔ جب تم کھانا کھاتے ہو تو اس وقت ذہن میں دن بھر کے تفکرات اور پریشانیاں ہوتی ہیں ۔ مجھ سے بات کر رہے ہو لیکن توجہ میری طرف نہیں ہے بلکہ اپنی بات کہنے کے لئے میری بات ختم ہونے کے منتظر ہو اور سوچ رہے ہو کہ کیا سوال پوچھوں اور جواب کیا دوں ۔ عقل مند بننا ہے تو حال سے باخبر رہو تا کہ زندگی کا ہر لمحہ پُرمسرت ہوجائے ۔

گیارہ ہزار صلاحیتیں

محدودیت میں بند لامحدود روحانی آنکھ دیکھتی ہے کہ انسان کے اندر گیارہ ہزار صلاحیتیں کام کرتی ہیں۔ ہر صلاحیت ایک علم ہے اور یہ علم شاخ در شاخ لامحدود دائروں میں پھیل جاتا ہے۔ ان گیارہ ہزار بنیادی صلاحیتوں کے استعمال کے لئے یقین کا ہونا بہت ضروری ہے اور یقین کا مطلب یہ ہے کہ یقین کا شعور حاصل ہو۔

روح کا ایک پرت ایسا ہے جو انسان کو شک، وسوسوں اور بے یقینی سے دور کرتا ہے اور انسان کے اندر ان صلاحیتوں کو مستحکم کرتا ہے جو یقین کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر کسی انسان کی مرکزیت اعلیٰ حواس کی طرف ہے تو اس پر یقین کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جیسے جیسے یقین مستحکم ہوتا ہے، غیب کا انکشاف ہوتا رہتا ہے۔ جب آدمی غیب کی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اندر یقین کا وہ پیٹرن (pattern) کھل جاتا ہے جو جانتا ہے کہ مٹی کے ذرّات سے بنے ہوئے گوشت پوست کے جسم کی حیثیت عارضی اور فانی ہے۔

اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ مرنے والے آدمی کے جسم کے اوپر جو روشنیوں کا جسم ہے اس نے عارضی اور فنا ہو جانے والے مادی جسم سے رشتہ منقطع کر لیا ہے۔ یعنی مرنے سے مراد یہ ہے کہ مٹی کے ذرّات سے بنے ہوئے گوشت پوست کے آدمی کے اوپر موجود روشنیوں کا وہ جسم جو روح اور مادی جسم کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے، اس عالم آب و گل سے رشتہ منقطع کر کے عالم رنگ و نور میں منتقل ہو گیا ہے۔

عالم رنگ و نور اور غیب کے پس پردہ دیگر بے شمار عالمین سے واقف ہونے کے لئے اور اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کا استعمال سیکھنے کے لئے انبیائے کرام کی طرز فکر اور ان کے علوم کے حامل ایسے روحانی استاد کی ضرورت ہے جو قدم قدم چلا کر شاگرد کو عرفانِ ذات سے ہمکنار کر دے۔

(کتاب: آگہی)

ہمارا راہ نما ــــ ضمیر

خوف سے صلاحیتوں کی نفی ہوتی ہے کیوں کہ بندہ اپنی اصل سے دور ہوجاتا ہے۔مخلوق کی فطرت محبت ہے۔تخلیق ہمیشہ محبت سے ہوتی ہے جب کہ خوف اورنفرت سے تخریب پیدا ہوتی ہے۔تخریب تخلیق نہیں ہے، تخلیق میں توڑ پھوڑ ہے۔

جذبات واحساسات ہرمخلوق میں ہیں مگر زندگی صحیح معنوں میں وہی لوگ گزارتے ہیں جن میں استغنا ہے۔استغنا کیسے پیدا ہوتا ہےاورکون سے محرکات اس راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، ان پرغور کرکے ہم الوژن سے نکل سکتے ہیں۔

کیفیت کوتحریک ماحول سے ملتی ہے۔اچھی خبر ملے یا ناگہانی آفت سامنے ہو، حالات اورمزاج کے مطابق جذبات پیدا ہوتے ہیں لیکن جذبات محرکات نہیں، محرکات کا مظاہرہ ہیں۔

اعصابی نظام میں ایسےعوامل موجود ہیں جوواقعات پرہمارا ردعمل ریکارڈ کرلیتے ہیں۔ملتی جلتی کیفیت دوبارہ ظاہر ہوتو ریکارڈ میں ارتعاش سے وہی جذبات پیدا ہوتے ہیں جن سے ہم گزرے تھے۔ارتعاش کی رو میں بہنے کے بجائے اس پر قابو پانا سیکھ لیں تو خوشی اورغم، دونوں کیفیات میں ردعمل ایک ہوگا۔ایسی حالت یا اس کیفیت میں اعصابی نظام ہمارے غیرمتاثر ہونے اور غیر جانب داری کو ریکارڈ کرے گا اور اس عمل کو دہرائے گا۔اعصابی نظام جس طرح کے ردعمل سے مانوس ہے، اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

دانا لوگ کہتے ہیں کہ ڈرکا سامنا کرنے سے ڈرختم ہوجاتا ہے۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدھی جنگ میدان میں اورآدھی ذہن میں فتح ہوتی ہے۔ذہن کسی طور پر مقابل سے مغلوب نہ ہوتو بقیہ فتح آسان ہے یعنی ذہن تیار ہونے سے خوف نکل جاتا ہے اس لئے کہ خوف آدمی کو بزدل بناتا ہے۔

کسی بستی میں سیلاب آگیا۔بستی ڈوب گئی لیکن ایک ٹیلا پانی سے محفوظ رہا۔لوگ جان بچانے کے لئے ٹیلے پرجمع ہوئے۔قریب جنگل تھا۔پانی کے بہاؤ میں کسی طرح شیر بھی ٹیلے پرآ پہنچا۔وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔خوف اورسراسیمگی میں اردگرد کا ہوش نہیں تھا۔شیر کو ٹیلے پر چڑھتے دیکھ کرلوگ خوف زدہ ہوگئے۔ایک

آدمی جس کے پاس بندوق تھی، وہ شیر کی طرف بڑھا اور گولی ماردی۔ شیر اس قدر خوف زدہ تھا کہ حملہ کرنے کے بجائے رعب ودبدبہ اور درندگی بھول گیا۔

خوف سے صلاحیتوں کی نفی ہوتی ہے کیوں کہ بندہ اپنی اصل سے دور ہوجاتا ہے۔ مخلوق کی فطرت محبت ہے۔ تخلیق ہمیشہ محبت سے ہوتی ہے جب کہ خوف اور نفرت سے تخریب پیدا ہوتی ہے۔ تخریب تخلیق نہیں ہے، تخلیق میں توڑ پھوڑ ہے۔

آرکیٹیکچر کو اپنے بنائے ہوئے سارے نقشے محبوب ہیں کیوں کہ اس نے جانفشانی سے تیار کئے ہیں۔ اگر نقشہ غلط بننے کا خوف طاری ہوجائے تو اس کی صلاحیتیں متاثر ہوجائیں گی۔ مخلوق کی فطرت محبت ہے، خوف نہیں ۔ خوف کا شکار ہوکر وہ فطرت یعنی اپنے اندر موجود تخلیقی صلاحیتوں سے دور ہوجاتی ہے۔

''سن رکھو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس:۶۲)

نوعِ آدم کی فطرت ''احسن تقویم'' ہے۔ اللہ کے دوست خوف اور غم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی فطرت ''احسن تقویم'' پر قائم ہیں۔ اور جن لوگوں کو خوف اور غم ہے، وہ اسفل سافلین میں ہیں۔

منفی رویوں کی ابتدا خوف سے ہوتی ہے۔ ذہن کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور فوری ردعمل ظاہر کرکے معاملے کو پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ غصہ، جھنجھلاہٹ اور الجھنے سے صورت حال خراب ہوتی ہے۔ تربیت میں اس نکتے کو خاص طور سے مدنظر رکھنا چاہئے تاکہ ہر بچے کو معلوم ہو کہ ناخوش گوار واقعات میں ردعمل کیا ہونا چاہئے۔

شہر کی سڑکوں پر ہم آئے دن ٹریفک کے دوران لوگوں کے الجھنے کے مناظر دیکھتے ہیں۔ کوئی گاڑی ہمیں ایک طرف کرکے گزر جائے تو برداشت نہیں ہوتا اور ہم رفتار تیز کرکے اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ سڑک اس کی ہے نہ ہماری۔ اس سے آگے نکلیں یا پیچھے رہیں، دونوں کے گھر الگ ہیں۔ غصے کا مظاہرہ کرکے بالآخر دونوں کو اپنے گھر جانا ہے۔ نہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کون ہے نہ وہ جانتا ہے کہ ہم کون ہیں۔ ایک دو روز گزرنے کے بعد دونوں واقعہ بھول جاتے ہیں۔ نقصان کس کا ہوا—؟ دو افراد نے عدم برداشت اور غصے کی وجہ سے سڑک پر موجود گاڑیوں اور کئی خاندانوں کو خطرے میں ڈال دیا۔ خدانخواستہ حادثہ پیش آجاتا تو چند لمحوں کا غصہ ساری عمر کی پشیمانی بن سکتا تھا۔ اعصاب کو جلد بازی اور غصے سے مانوس مت کریں، نظرانداز کرنے کی صفت پیدا کریں۔

بڑے کہتے ہیں کہ بات سمجھ کی میزان پر تولو پھر بولو۔ اشیا کا تولنا سمجھ میں آتا ہے لیکن بات کو کیسے تولیں اور تولنے کا پیمانہ کیا ہے—؟ قرآن کریم میں الفاظ تولنے کا میزان بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''وہ اللہ ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے۔'' (الشوریٰ : ۱۷)

فعل ہو یا قول ـــ جواب دینا ضروری ہے تو پہلے سوچیں کہ قرآن کریم کی رو سے میرا عمل کیسا ہے۔

رب ذوالجلال کا ارشاد ہے،

''اور ہم نے لوگوں کے لئے قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔'' (الزمر: ۲۷)

غلطی سرزد ہونے کے بعد افسوس کرنے سے بہتر ہے کہ صحیح اور غلط کا ادراک پہلے سے ہو۔ اگر فیصلہ کرنے میں دشواری ہے، بڑوں سے راہ نمائی لیں۔ چند لمحے خود کو روک کر سمجھ داری کا مظاہرہ کر کے اعصاب پر قابو پانے سے معاملات کی سمجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے۔ ابلتی ہوئی ہانڈی میں دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ اندر کیا ہے البتہ آنچ دھیمی کرنے سے اجزا واضح نظر آتے ہیں۔ اسی طرح غصے کی حالت میں دماغ میں پانی ابلتا ہے اور بندہ صحیح غلط کی تمیز کھو دیتا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کے قواعد وضوابط میں شامل ہے،

''غصے کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی ضائع کر دیتے ہیں یعنی اس کے اندر قوت حیات ضائع ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جو لوگ غصے پر قابو پالیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

اشتعال سے اعصاب کم زور ہوتے ہیں اور کم زور اعصاب شخص ذرّے کو پہاڑ دیکھتا ہے۔ وہ مسائل حل کرنے کے قابل نہیں رہتا اور مسائل پیدا کرنے کی مشین بن جاتا ہے۔ مضبوط اعصاب کے معنی فرد کا جذبات اور ان کے ردعمل پر غالب ہونا ہے جب کہ کم زور اعصاب فرد جذبات کے تابع ہو جاتا ہے۔

''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شروع ہونے والا نیا سلسلہ ''پیرا سائیکالوجی سے مسائل کا حل'' میں خوف دور کرنے سے متعلق علاج پڑھا۔

''غبارے خریدیں اور ہوا بھریں۔ جن لوگوں سے خوف آتا ہے، ہر غبارے پر ان میں سے ایک نام لکھیں۔ اس طرح جتنے لوگ ہیں، سب کے نام کے غبارے ہوں۔ اب ایک ایک کر کے غباروں کو غور سے دیکھیں۔ جس غبارے پر جس کا نام لکھا ہے، اس غبارے میں کچھ دیر اس فرد کا سراپا دیکھیں۔ تصور قائم ہوتے ہی خود سے پوچھیں کہ غبارے میں ہوا کس نے بھری ـــ؟ جب تک آپ نے غبارے میں ہوا نہیں بھری تھی، کیا وہ ویسا تھا، جیسا اب دکھائی دیتا ہے ـــ؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔ اب سوئی کے ذریعے غبارے سے ہوا نکال لیں اور دیکھیں کیا ہوا۔ یہ ہے خوف کی حقیقت! اگلے غبارے کی طرف بڑھیں۔ ایک ایک کر کے غباروں سے ہوا نکلے گی اور خوف ختم ہو جائے گا۔ عمل کے لئے 11 روز کافی ہیں۔

جہاں تک بے عزتی کی بات ہے تو عزت اور ذلت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، صرفِ نظر کر کے یہ سوچیں کہ اللہ کی نظر میں آپ کہاں ہیں۔ مشق سے ذہن میں اللہ کا تصور قائم ہوگا اور زندگی کو دیکھنے کا زاویہ بدل جائے گا، انشاءاللہ۔''

اعصاب غبارے کی مانند ہیں۔ ہوا زیادہ بھرنے سے غبارہ کم زور ہو کر پھٹ جاتا ہے۔ آدمی جتنا منفی ردعمل کا عادی ہوگا، اعصاب میں اتنی ہی ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگی۔ ڈر اور خوف ذہن کی پیداوار ہے، غبارے سے ہوا نکال دیں، خوف ختم ہو جائے گا۔

کائنات میں ہر شے پھیلتی اور سکڑتی ہے۔ الجھن کو ذہن میں جگہ دینے سے پھیلنا شروع ہو جاتی ہے اور اہمیت نہ دیں تو خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔

پروگرام میں دلچسپی نہ ہو تو ہم ٹی وی چینل تبدیل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ذہن میں بے شمار چینلز کام کرتے ہیں۔ ناپسندیدہ خیال آجائے، رد کرنے کے بجائے توجہ یعنی چینل تبدیل کریں۔ ذہن ارادے کے تابع ہے اور ارادہ ٹی وی ریموٹ کے قائم مقام ہے جس سے ہم ناپسندیدہ خیال سے پسندیدہ خیال کی طرف جا سکتے ہیں۔

منفی خیالات طرزِ فکر کو کھانے والے جراثیم ہیں۔ ان سے بے یقینی کی افزائش ہوتی ہے۔ یہ خون میں شامل ہو کر جسم میں پھیلتے ہیں اور چہرے کے خدوخال تبدیل کرنے کے ساتھ جسم کو لاغر کر دیتے ہیں۔

آدمی کا چہرہ اندر میں جذبات کا عکس ہے۔ فلم کا مظاہرہ اسکرین پر ہوتا ہے، خیالات کی فلم چہرے پر نشر ہوتی ہے۔ ذہن جس طرف متوجہ ہوتا ہے، وہاں سے توانائی (انرجی) وصول کرنے لگتا ہے۔ مثلاً سورج کا تصور کریں۔ تھوڑی دیر بعد حدت محسوس ہوگی۔ برف باری کے تصور سے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ ذہن منفی خیال کے حامل بندے یا سوچ سے جڑ جائے تو دماغی سگنل کثیف خیالات وصول کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب کہ مثبت سوچ کے حامل فرد سے ربط قائم ہونے پر لطیف لہریں منتقل ہوتی ہیں۔

بجلی سے چلنے والی اشیا کے ساتھ اسٹیبلائزر لگایا جاتا ہے جو وولٹیج کی کمی اور زیادتی سے مشینری کو نقصان سے محفوظ رکھتا ہے اور مناسب مقدار میں کرنٹ فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح قدرت نے ہمارے اندر ضمیر کی صورت میں ایک آلہ رکھا ہے جو جذبات کے بہاؤ کو توازن میں رکھتا ہے۔ اسٹیبلائزر یعنی ضمیر سے مدد نہ لینے والوں کی مشینری جل جاتی ہے۔

معمولی زخم نظرانداز ہو کر مہلک مرض بن جاتا ہے۔ اسی طرح مسئلہ کے محرک پر توجہ نہ دی جائے تو وہ طوفان بن جاتا ہے۔ ہمیشہ محرک تلاش کریں تاکہ مسئلہ حل کرنے میں آسانی ہو۔ اکثر لوگ کام کی زیادتی کو

اعصابی کمزوری کی وجہ بتاتے ہیں۔ اصل سبب کام کی زیادتی نہیں، ادھر ادھر کی باتیں اور غیر ضروری سوچیں ہیں ۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا ۔ وسوسے خوف میں مبتلا کر دیتے ہیں اور خوف کی تکرار خوف کا مظہر بن جاتی ہے۔اللہ کے بھروسے پر کام کریں، نتائج کی فکر میں پریشان مت ہوں، نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے، آدمی کو نتائج پر قدرت نہیں، وہ صرف کوشش کرسکتا ہے۔

مسائل کے حل کا واحد ذریعہ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔قرآن کریم کے مطابق جو بندہ ہر عمل من جانب اللہ سمجھتا ہے، وہ خوف وغم سے آزاد رہتا ہے اور زندگی — زندہ دلی سے گزارتا ہے۔ اور سورہ انفال کے مطابق جب ان کے سامنے آیات الٰہی کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں۔محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''تاریکیوں سے نکلنے،حزن وملال کی زندگی سے آزاد ہونے ،اقوام عالم میں مقتدر ہونے ،دل و دماغ کو انوارِ الٰہی کا نشیمن بنانے ،نظام ربوبیت اور خالقیت کو سمجھنے کے لئے صحیفۂ کائنات کا مطالعہ کرو۔ صحیفۂ کائنات کے ایک ایک جزو کی تشریح قرآن میں موجود ہے۔قرآن جہاں تسخیر کائنات کے فارمولوں کی دستاویز ہے وہاں انسانی زندگی کے لئے ایک دستور ہے۔اس دستاویز میں ایسے راستوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن پر چل کر ذلت عزت میں ،شکست فتح میں ،کم زوری قوت میں، بدحالی خوش حالی میں اور انتشار وحدت میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ اللہ کا قانون سب کے لئے ہے ۔جس طرح ہر آدمی متعین فارمولے سے کوئی چیز بنا لیتا ہے اسی طرح صحیفۂ ہدایت میں غور وفکر کر کے اپنے لئے منزل متعین کی جاسکتی ہے۔''

پانی کے دو گھونٹ

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ اور خلیفہ ہارون رشید کی ملاقات ہوئی ۔

ہارون رشید نے پوچھا، آپ کی نظر میں میری سلطنت کی قدر و قیمت کیا ہے؟

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا، فرض کرو کہ تم ریگستان میں جا رہے ہو اور پانی ختم ہو گیا ہے۔ شدید پیاس لگی ہے اور پیاس کی شدت سے تم ایڑیاں رگڑ رہے ہو۔ اس حالت میں ایک چرواہا کہیں سے آجاتا ہے۔ اس کے پاس پانی ہے۔تم اس سے پانی مانگتے ہو۔ چرواہا کہتا ہے کہ اگر ایک پیالے کے عوض آدھی سلطنت دیتے ہو تو پانی مل جائے گا۔کیا تم اسے آدھی سلطنت دے دو گے؟ خلیفہ نے کہا، بالکل دے دوں گا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا، پھر تمہاری سلطنت کی قیمت پانی کے دو گھونٹ ہیں ۔

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

خیال آیا کہ رات بھی تو سیاہ ہے۔ رات جب محبوب پر اپنے اسرار کھولتی ہے تو اس سیاہی میں رنگوں کا جہاں آباد ہوتا ہے۔ اور جس کا کوئی محبوب نہ ہو، رات اس کے لئے اندھیر نگری ہے، نگاہیں تاریکی سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں لیکن محبوب کے لئے رات، رات نہیں، روشن راہیں ہیں جن میں رنگ رنگ چشمے پھوٹتے ہیں۔ ہر رنگ نیا جہاں ہے اور ہر جہاں میں لاشمار جہاں آباد ہیں۔

(مرسلہ: عرفانہ شہزاد۔ لاہور، کتاب: مرشد کی باتیں)

کوتاہ عقل آدمی کتنا بے شعور ہے کہ رنگین چیز کو ''نارنگ'' کہتا ہے۔ ایک صحت مند نارنگی میں نو یا دس پھانکیں ہوتی ہیں۔ ایک پھانک میں 313 رس سے بھری ہوئی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ جب ہم کینو یا سنگترہ یا نارنگی سے شوق فرماتے ہیں تو دراصل 313 رس بھری ہوئی تھیلیوں کا رس پیتے ہیں۔

(مرسلہ: محمد خاور۔ کراچی، کتاب۔ قوس قزح)

آدمی آدمی کی دوا ہے۔ آدمی آدمی کا دوست ہے۔ دوستی کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ دوستوں کے معاملات میں دلچسپی لیں، ان کے کام آئیں اور مالی اعانت کی استطاعت نہ ہو تو ان کے لئے وقت کا ایثار کریں۔ یہ بھی حقِ دوستی ہے کہ جب آپس میں میل ملاقات ہو تو سرد مہری کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ مستقل مزاجی سے تعلقات کو آخر تک نبھانا مستحسن عمل ہے۔ جب بہت سے برتن ہوتے ہیں تو آپس میں ٹکراتے بھی ہیں۔ آواز بھی مدہم اور پُرشور ہوتی ہے۔ دو برتن ٹکراتے ہیں تو ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں نرمی اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ رشتے کی ایک نوعیت یہ ہے کہ ہر آدم زاد ایک دوسرے کا برادر اور دوست ہے اور رشتے کی ایک نوعیت یہ ہے کہ ایک ملک کے افراد ایک دوسرے کے رفیق اور ہم خیال ہوتے ہیں۔

(مرسلہ: محمد کامران، کتاب: تجلیات)

ملک محمد ناصر

اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا

دن سڑکوں پر دھول میں گزرا— شام ہوگئی۔ سورج اپنی منزل کے قریب آ گیا تھا مگر میری منزل کہاں ہے، میں بے خبر تھا۔ چلتے چلتے شہر سے باہر نکل آیا۔ سڑک کے دونوں کناروں پر درختوں کی طویل قطار تھی۔ مجھے ہیولا نظر آیا۔

یہ میری کہانی ہے لیکن آپ بھی کہانی میں موجود ہیں کیوں کہ ہم سب ایک ہیں اور کہانی بھی ایک ہے۔ بنیاد پر غور کیجئے کہ کیا ہم سب ایک نہیں ہیں؟

میں بھیڑ میں پھنس چکا تھا۔ یہ 'میں ہوں' کی بھیڑ تھی۔ آگے بڑھنے کا راستہ تھا نہ پیچھے ہٹنے کے لئے جگہ۔ بے ہنگم شور میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ چلنے کے باوجود وقت میرے لئے ٹھہر گیا تھا۔

سفرِ زیست میں ذہنی رجحان کے مطابق راستے کے انتخاب کو پیشہ کہتے ہیں۔ میں نے کیریئر کے لئے ابلاغِ عامہ (ماس کمیونیکیشن) کا انتخاب کیا۔ قلم کے نشتر سے معاشرتی ناسور کی کمال مہارت سے سرجری کی اور اس شعبے میں جگہ بنالی۔

جدید ٹیکنالوجی نے دنیا کی طنابیں اس طرح کھینچی ہیں کہ دنیا 'گلوبل ویلیج' بن گئی ہے۔ زمانہ پرنٹ میڈیا سے الیکٹرانک اور الیکٹرانک سے سوشل میڈیا کی طرف بڑھ گیا ہے۔ میری حالات پر کڑی نظر تھی۔ اس شعبے میں نام قائم رکھنے کے لئے ہوشیاری اور سمجھ داری سے آگے بڑھنا تھا کیوں کہ زندگی شطرنج کی بساط ہے جس میں ایک غلطی بساط الٹ سکتی ہے۔

رات گئے گھر لوٹا تو بچے سوگئے تھے۔ بیوی نے شکایت کی کہ آپ نے خود کو بھیڑ میں گم کر دیا ہے۔ کام اپنی جگہ، گھر بھی ذمہ داری ہے۔ زائد کام اعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے، کچھ خیال کریں۔

بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا، وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ بس تھوڑا انتظار۔ ہمارے ٹی وی چینل کا افتتاح ہونے والا ہے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کمرے میں آ کر حسب معمول ڈائری کھولی جس میں روزانہ کی بنیاد پر اہم کام درج کرتا تھا۔ خیال آیا کہ کوئی کام لکھنے سے رہ گیا ہے۔ کیا کام ہوسکتا ہے، یہ پتہ نہیں چلا۔ میں ڈائری بند کر کے سوگیا۔

اگلے روز پھر کسی کمی کا احساس ہوا۔ کیفیت وہی تھی کہ کوئی اہم کام لکھنے سے رہ گیا ہے۔ سوچنے کے باوجود یاد

نہیں آیا۔ میں کھوج میں لگ گیا کہ یہ کس کمی کا احساس ہے۔ وہ ضروری کام کون سا ہے جو یاد نہیں آرہا۔ ہر وقت کی بے کلی سے الجھ گیا۔ لگتا تھا کہ کام نہیں، وہم ہے جس نے دن رات بے کل کردیا ہے۔ پریشانی کی وجہ سے جسم بھاری رہنے لگا۔

افتتاحی تقریب نزدیک آرہی تھی جس سے روشن مستقبل کی امیدیں وابستہ تھیں مگر 'نامعلوم ضروری کام' کی تلاش میں سکون کھو گیا۔ آخر وہ کون سا اہم کام ہے جو کرنے سے رہ گیا ہے اور بے چینی کی وجہ سے دفتری مصروفیات غیر اہم ہو گئیں؟

~~~

افتتاحی تقریب میں مشہور شخصیات مدعو تھیں۔ منیجنگ ڈائریکٹر معزز مہمانوں سے عملے کا تعارف کراتے ہوئے بہت پُرجوش تھے۔ ان کی نظریں مجھے تلاش کررہی تھیں اور میں ایک طرف تنہا خاموش بیٹھا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی تیزی سے قریب آئے، آج خوشی کا دن ہے اور تمہارا چہرہ بجھا ہوا ہے۔ کوئی پریشانی ہے؟

سر! مجھے اہم کام سے جانا ہے۔

آج کی تقریب سے اہم کام کیا ہوسکتا ہے؟

سر! مجھے خبر نہیں لیکن وہ کام اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ تلاش نہیں کیا تو بہت پیچھے رہ جاؤں گا۔

کیسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔ آج کا دن ہماری اور تمہاری ترقی کا زینہ ہے اور تم زینے تک پہنچ کر شہرت سے دور ہونا چاہتے ہو؟ لگتا ہے اس وقت ذہن پر دباؤ ہے۔ گھر جا کر آرام کرو، کل بات کرتے ہیں۔

وہ مہمانوں کی طرف بڑھ گئے۔

افتتاحی تقریب کئی ہفتوں سے حواس پر سوار تھی۔ سارے انتظامات میرے ہاتھ میں تھے۔ دن رات تیاری میں لگا ہوا تھا لیکن وقت آنے پر میں وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے خواب کی تکمیل کی پروا نہیں کی۔ خیالات کی ڈوری الجھنے سے سرا کھو گیا۔

الجھے ہوئے بال سہلاتا ہوا ریستوران میں داخل ہوا، چائے کا آرڈر دے کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ دوسری میز پر ایک لڑکا اپنے دوست سے کہہ رہا تھا کہ دن بور گزر رہے ہیں، کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہے۔

میں نے سر گھما کر دائیں جانب دیکھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جن کے پاس مصروفیت نہیں؟ ایک میں ہوں کہ مصروفیات پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

چائے آگئی تھی۔ پہلا گھونٹ لیتے ہوئے سوچا، یہ فارغ لوگ ہیں اور میں مصروف ہوں۔ مجھ میں اور ان میں فرق ہے۔ ان کے پاس خواب نہیں ہے اور میرے بڑے بڑے خواب ہیں۔ خوابوں سے شخصیت تعمیر ہوتی ہے۔ سچے خواب دیکھنے والوں کی سوچ بلند ہوتی ہے۔

چائے ختم کرکے لڑکوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا باہر آگیا۔

~~~

گھر جلدی لوٹنے پر بیوی نے حیرانی سے کہا، آج سورج کہاں سے نکلا ہے؟ کیا تقریب جلدی ختم ہوگئی؟ گھر جلدی کیسے آگئے؟ سب ٹھیک ہے؟ کھانا لگالوں،

بچے اسکول سے آ گئے ہیں۔ کتنے دنوں بعد سب ایک ساتھ کھانا کھائیں گے۔

میں نے کسی سوال کا جواب نہیں دیا اور یہ کہہ کر کمرے میں آ گیا کہ تھک گیا ہوں، تھوڑی دیر آرام کروں گا۔ بستر پر لیٹا تو اندر میں کسی نے کہا،

''سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا۔''

ایک اور آواز آئی،

''جس نے خود کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

چھت کو گھورتے ہوئے میں نے سوچا،

روح کا عرفان کیا ہے اور میں کون ہوں؟

کیا میں وہ نہیں ہوں جو خود کو سمجھ رہا ہوں؟

خود کو پہچاننے کا مطلب کیا ہے؟

ذہن سوالات میں گم ہو گیا اور دماغ کی اسکرین پر ایک اور خیال کا نقش واضح ہوا......

''مادی وجود اصل انسان نہیں۔ روح نکل جانے کے بعد مادی جسم میں سے حرکت ختم ہو جاتی ہے۔''

میں نے کہا، اس بات کا میرے سوالوں سے کیا تعلق ہے، مجھے یہ آوازیں کیوں سنائی دے رہی ہیں؟

اے ذی شعور! اسی میں سارے جوابات ہیں۔

حواس باختہ ہو کر پوچھا، تم کون ہو؟ مادی وجود اصل نہیں ہے پھر اصل کیا ہے؟ روح کہاں چلی گئی؟

سنجیدہ آواز نے کہا، جہاں سے آئی تھی۔

مضطرب لہجے میں پوچھا، کہاں سے آئی تھی—؟

جواب نہیں آیا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آواز میرے اندر سے آ رہی ہے۔ اندر کون ہے اور میں کون ہوں؟ کیا میرے اندر کوئی اور رہتا ہے؟

شام کو جاگنے کے بعد میں کھویا کھویا رہا۔ اگلے دن طبیعت کی خرابی کی اطلاع دے کر دفتر کی چھٹی کی۔

بیوی نے پوچھا، کچھ کہتے کیوں نہیں، کیا نوکری سے نکال دیا ہے؟ کل سے خاموش بیٹھے ہیں۔

بے دلی سے جواب دیا، تھک گیا ہوں، کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں اس لئے دفتر نہیں جا رہا۔

وہ بولی، اچھی بات ہے ورنہ بچے صورت دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔ آپ کو انہیں وقت دینا چاہئے۔

بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر انہوں نے مجھے کھیل میں شامل کیا پھر غیر حاضر پا کر اپنے کھیل میں لگ گئے۔

میرے ذہن میں سوالات کی یلغار تھی۔

کوئی کام خیال آئے بغیر نہیں ہوتا۔ انسان بھی خیال کے بغیر لاموجود ہے۔ خیال کہاں سے آتا ہے اور کون بھیجتا ہے؟ خیال کے ذریعے حرکت پیدا ہوتی ہے، حرکت کون پیدا کرتا ہے؟ میں کہاں ہے اور میں کی تکرار کیا معنی رکھتی ہے؟ تکرار کی بنیاد حواس پر قائم ہے۔ حواس کیا ہیں؟ حواس میں تغیر ہے۔ سماعت بصارت بن جاتی ہے اور بصارت ادراک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تغیر کی حقیقت کیا ہے؟ حواس میں تغیر ہے اور میں ان

حواس پر زندگی گزارتا ہوں ۔کیا میرا وجود بھی متغیر ہے؟اگر آدمی خیال ہے اور خیال احساس ہے پھر احساس کہاں ہوتا ہے؟

اندر میں دو روز خاموشی کے بعد ایک بار پھر ارتعاش ہوا۔آواز نے کہا، کائنات اللہ کا امر ہے۔خیال امر کے تابع ہے اور اللہ کا امر کُن فیکون ہے۔فیکون اللہ کی صفات کا مظاہرہ ہے۔خیال بھیجنے والا، صفات کا مظاہرہ کرنے والا اور صفات کی پہچان کرانے والا اللہ ہے۔

میں نے پوچھا، وہ کون سا اہم کام ہے جس نے مجھے بے کل کر دیا ہے؟ کیا وہ کام بھی اللہ کی طرف سے ہے؟اس کام کی نشان دہی کون کرے گا ؟

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

میں جھنجلا کر گھر سے نکل آیا۔

انکل ! سڑک پار کرا دیں۔اسکول کے لئے دیر ہو رہی ہے۔سفید یونی فارم میں ملبوس بچے نے روکا۔

بچے کا ہاتھ پکڑا اور سڑک کے دوسری طرف آ گیا۔ آگے لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں نے سوچا کہ لوگ تماشا دیکھنے کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟ یہاں سے گزرنے میں عافیت سمجھی اور رفتار تیز کر لی۔

اتنے میں کسی نے آواز دی، برخوردار! کہاں جا رہے ہو اور آگے ہجوم کیوں ہے؟

محترم بزرگ ! نہیں جانتا کہاں جا رہا ہوں۔کام اہم ہے لیکن کام کی خبر نہیں۔

انہوں نے پوچھا، آگے ہجوم کیسا ہے ؟ لوگ کس بات پر لڑ رہے ہیں؟ مجھے وہاں لے چلو شاید میرے سمجھانے سے مسئلہ حل ہو جائے۔

بزرگوار! ہجوم سے دور رہیں ورنہ پھنس جائیں گے۔

یہ کہہ کر میں آگے بڑھ گیا۔

دن سڑکوں پر دھول میں گزرا — شام ہو گئی۔ سورج اپنی منزل کے قریب آ گیا تھا مگر میری منزل کہاں ہے، میں بے خبر تھا۔

چلتے چلتے شہر سے باہر نکل آیا۔سڑک کے دونوں کناروں پر درختوں کی طویل قطار تھی۔ مجھے ہیولا نظر آیا۔کون ہے؟ میں نے بلند آواز سے پوچھا۔

جواب نہیں آیا۔قریب جا کر دیکھا تو ایک بوڑھا شخص جگہ صاف کر رہا تھا۔

بابا جی! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

بیٹا! پتّے اور ٹہنیاں بکھری ہوئی ہیں۔بے ترتیبی بھی ہجوم ہے جس سے ذہن پر بوجھ پڑتا ہے۔سوچا جگہ صاف کر دوں تاکہ راستے کا نشان ملے۔

لفظ ہجوم پر میں ٹھٹھک گیا۔آواز جانی پہچانی تھی۔ یہ تو وہی بزرگ ہیں جو صبح چورنگی پر ملے تھے۔حیرت ہوئی کہ صبح ان کو چلنے کے لئے میری مدد چاہئے تھی اور شام کو یہ مجھ سے پہلے شہر سے باہر پہنچ گئے۔

آپ اس وقت یہاں کیسے؟

برخوردار! تمہاری سائنس کہتی ہے کہ روشنی کی رفتار

ایک لاکھ 86 ہزار دوسو 82 میل فی سیکنڈ ہے۔ جانتے ہو کہ انا کی لہریں روشنی سے زیادہ تیز رفتار ہیں۔ بندہ جہاں جانا چاہے، پہنچا دیتی ہیں۔ ہر لمحہ ظاہر اور غائب ہوتا ہے۔ اگر تم لمحے کے غائب ہونے کے ساتھ غائب ہونا سیکھ لو تو جہاں چاہو، پہنچ جاؤ گے۔

بزرگ زمین صاف کر کے بیٹھ گئے۔

میں بھی قریب بیٹھ گیا۔

برخوردار! انسان پرتوں کا مجموعہ ہے۔ جب چاہے اور جہاں چاہے، لہروں کے ذریعے پہنچ جاتا ہے۔

باباجی! انا کی لہریں کیا ہیں— ؟

انہوں نے فرمایا، کائناتی لہریں ہیں۔ ایک دوسرے سے منسلک اور ہر طرف پھیلی ہوئیں۔

میں سوکھے پتّوں کے ڈھیر کے قریب بیٹھا سوچ رہا تھا کہ باباجی کا ملنا اتفاق نہیں۔ یہ مجھے بتا سکتے ہیں کہ وہ اہم کام کیا ہے جس نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔

باباجی! سارا دن زندگی کی گاڑی کھینچتا ہوں۔ کسی کمی کا احساس نہیں ہوا۔ ضرورت کی ہر شے موجود ہے۔ مگر اب اندر میں نامعلوم خلا ہے۔ میں ہجوم میں پھنس گیا ہوں یا خالی پن سے الجھ گیا ہوں۔

بیٹا! زندگی توازن کا نام ہے۔ توازن حسن اور حسن ترتیب ہے۔ بے ترتیبی زندگی کا حسن گہنا دیتی ہے۔ احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حسن اور ترتیب ہے۔ تمہاری زندگی ترتیب سے عاری ہے۔ دن رات شہرت اور نام کے پیچھے بھاگتے ہو۔ بیوی بچوں سے تم غافل ہو۔ گھر میں پیسے دے کر سمجھتے ہو کہ ذمہ داری پوری ہوگئی۔ اللہ تمہیں یاد نہیں۔ نہ حقوق العباد نہ حقوق اللہ! سکون کیسے ملے گا؟ ضمیر مسلسل متوجہ کر رہا ہے کہ جو راستہ اختیار کیا گیا ہے وہ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ نہیں۔ انعام یافتہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی میں توازن ہے۔

وہ فرما رہے تھے کہ تم دو رخوں پر قائم ایک شخص ہو۔ ظاہر میں بھی تم اور باطن بھی تم ہو۔ ظاہری اور باطنی تقاضوں میں توازن برقرار رکھنے کا نام زندگی ہے ورنہ تقاضے ہجوم بن کر آدمی کو بے سکون کر دیتے ہیں۔ خود غرضی کی جھاڑیاں اور حرص کی بے ہنگم شاخیں شجر حیات کا حسن گہنا دیتی ہیں۔

جس کام کی تمہیں تلاش ہے وہ محاسبہ ہے۔ تم حقوق العباد اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرتے ہو۔ صرف اپنے لئے جیتے ہو۔ بیوی بچوں کی تمہیں خبر نہیں، اللہ جانے ماں باپ، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے حال سے کیسے واقف ہوگے۔ احتساب سے اندر میں اگنے والی بے ہنگم جھاڑیوں کی شاخ تراشی کر کے پودے کا توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ خود کو پُرسکون رکھنے کا یہی راستہ ہے۔ ملازمت کرو لیکن نام و نمود کی پرستش کے بجائے اللہ کی طرف ذہن کرو۔ بندہ حکم کی تعمیل ہے— نام صرف اللہ کا!

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

کام کرنے سے تمہیں کسی نے نہیں روکا۔صرف دنیا کے پیچھے بھاگو گے تو کچھ نہیں رہو گے۔دنیا کو دین کے مطابق گزارنے سے مقام خودبخود بن جاتا ہے۔

باباجی! دین کیا کہتا ہے ـــــ؟

دین کہتا ہے ـــــ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے ۔ روز جزا کا مالک ہے۔اللہ کی عبادت کرو اور اللہ سے مدد مانگو۔ قائم ہوجاؤ سیدھے راستے پر، اس راستے پر جس میں اللہ نے انعام رکھا ہے۔ وہ راستہ ترک کردو جس میں غیظ وغضب ہے۔ جاؤ ذمہ داریاں پوری کرو مگر اندر کی آواز بھی سنتے رہنا ـــــ بےچینی ختم ہوجائے گی۔

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہوجا
مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر* و پرنیاں ہوجا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

باباجی نے ٹہنیوں کا گٹھا باندھتے ہوئے کہا، میں چلتا ہوں، اسے اٹھا کر میرے سر پر رکھ دو۔

گٹھا اٹھا کر سر کے قریب لے گیا اور ـــــ اچانک پیچھے ہٹ کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس عمل نے یک دم مجھے ہلکا پھلکا کردیا۔ کئی ہفتوں کا بوجھ سر پر سے اتر گیا۔ باباجی! آگے بڑھے، میں پیچھے چل دیا۔

* حریر (ریشمی کپڑا)

کیا میں نے غلط کہا ـــــ؟

ایک بدو کسی کام سے دور دراز شہر گیا۔ وہاں سرائے میں قیام کے دوران مختلف شہروں کے مسافروں سے علیک سلیک ہوئی۔ ایک مسافر نے بدو سے پوچھا، تم لوگ اونٹ کی سواری کرتے ہو، یہ بتاؤ کہ کھاتے کیا ہو؟ بدو نے کہا، اونٹ۔

مسافر نے پوچھا، پانی کے علاوہ کون سا مشروب استعمال کرتے ہو؟ جواب دیا، اونٹ۔

مسافر کو تعجب ہوا۔ اوڑھتے بچھاتے کیا ہو؟

بدو نے اطمینان سے جواب دیا، اونٹ۔

اور مکان کس چیز کا بناتے ہو؟

جواب وہی تھا یعنی اونٹ۔

سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کیا جلاتے ہو؟

بدو نے ہنستے ہوئے کہا، اونٹ۔

سوال کرنے والا بولا، عجیب آدمی ہو۔ ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے اونٹ اونٹ۔ مجھے بے وقوف سمجھا ہے؟

بدو نے جواب دیا، بھائی! میں اونٹ کا گوشت کھاتا ہوں۔ اونٹنی کا دودھ پیتا ہوں۔ اونٹ کے بالوں کے کپڑے پہنتا اوڑھتا ہوں اور اسی کی چادر بچھاتا ہوں۔ اونٹ کی کھال کا خیمہ بنا کر رہتا ہوں۔ اونٹ کی مینگنیاں جلاتا ہوں اور سواری بھی اونٹ ہے۔ اونٹ بیچتا ہوں اور اونٹ خریدتا ہوں۔ اونٹ ہی میرا معاش اور اونٹ ہی میری معاشرت ہے، باقی سب اس کے مختلف نام ہیں۔ بتاؤ میں نے کیا غلط کہا؟

SEARLE

کینڈرل

پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لو کیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں کینڈرل چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ۔ کینڈرل بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابطیس کے مریض ہیں جو زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر روز میٹھے سے نظر چراتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان۔۔۔ کینڈرل کے ساتھ

PAKISTAN'S FIRST ISO CERTIFIED LEADING IVF & GENETICS INSTITUTE

AUSTRALIAN CONCEPT
INFERTILITY MEDICAL CENTER
Established Since 1998

ACIMC 22nd CELEBRATIONS

IAF

کیا آپ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں؟
اولاد کا حصول ممکن ہے
آج ہی فری کنسلٹیشن کے لئے رابطہ کریں

SCAN ME

ACIMC KARACHI HEAD OFFICE

32-A, BLOCK-5, KEHKASHAN, CLIFTON, NEAR BILAWAL CHOWRANGI, BEHIND BBQ TONIGHT, KARACHI, PAKISTAN 74400

LAHORE ISLAMABAD HYDERABAD
SUKKUR NAWABSHAH GAMBAT
MULTAN QUETTA RAHIM YAR KHAN
GUJRANWALA FAISALABAD LARKANA

: 0309-333-2229 (BABY)
UAN : 0304-111-2229 (BABY)

www.acimc.org
info@acimc.org
AUSTRALIANCONCEPT

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن ، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہوگیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معمّا تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہوگیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجرولال سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جارہی تھی کہ راستے میں بجرولال کی وجہ سے حادثہ پیش آگیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھئے۔

سورۃ القیٰمۃ کی ابتدائی آیات سن کر ماحول میں منفی قوتوں سے ذہن ہٹا اور آئینے کی وجہ سے قائم ہونے والا تاثر بھی ختم ہوگیا۔ طلسمی آئینے پر تیزی سے لکیریں نمودار ہوئیں اور آئینہ دیکھتے ہی دیکھتے زوردار چھناکے سے کرچی کرچی ہوگیا۔

منظر واضح ہوتے ہی مجھے لچھاوی کا بیٹا دندان نظر آیا۔ مجھ پر وار کرنے کے لئے تلوار بلند کی ۔ اس سے پہلے کہ تلوار مجھے لگتی، سانبھر پھرتی سے پیچھے ہٹا۔ تلوار اس کے سینگ کو معمولی کاٹتی ہوئی میرے بازو سے چھو کر گزر گئی ۔ ہم دونوں کو معمولی زخم آئے مگر اب دندان کو مزید موقع نہیں دیا جاسکتا تھا۔ لہٰذا پھرتی سے عصا آگے لاکر تلوار روکی۔ کوند پیدا ہوئی اور تلوار دو ٹکڑے ہوگئی۔ دندان کو یقین نہیں آیا کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ اگلی ضرب دندان پر لگائی۔ وہ چیختا ہوا پیچھے ہٹا

اور وہاں سے بھاگ گیا۔

میرا زخم گہرا نہیں تھا لیکن جلن محسوس ہو رہی تھی۔ سانبھر بھی تکلیف میں تھا۔ سینگ پر خون کے قطرے نمودار ہوئے۔ کٹے ہوئے حصے کو غور سے دیکھا تو سانبھر کا روشنی کا جسم میرے سامنے آ گیا۔ سینگ کے مقام پر سبز رنگ کی کمی ظاہر ہو رہی تھی۔ گویا ایسا پھول یا بوٹی درکار تھی جس سے سبز رنگ کی کمی دور ہو۔ سانبھر کی گردن سہلاتے ہوئے نگاہیں تیزی سے آس پاس جڑی بوٹی تلاش کرنے لگیں۔ مجھے Berberis Aristata کا پودا نظر آیا جسے مقامی زبان میں سٹرا یا دارو ہلدی کہا جاتا ہے۔ یہ ہمالیہ کے جنگلات میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ پودا چھوٹے چھوٹے بسنتی رنگ کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ پھول جمع کر کے پتھر سے پیس کر مرہم بنایا پھر سانبھر کے سینگ اور اپنے بازو پر لیپ کیا اور کپڑا باندھ دیا۔ تھوڑی دیر میں ہاتھ کو ٹھنڈک پہنچنے سے جلن دور ہوئی۔ سانبھر کی بے چینی بھی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔

بزرگ خاتون کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ لچھاوی عادت سے مجبور، شیطانی طرزِ فکر کی حامل تھی۔ لچھاوی نے بزرگ خاتون سے چھٹکارا پانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ میری آمد کے بعد اب معاملہ ''یک نہ شد دو شد'' کا تھا حالاں کہ میری کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ میرے سر پر نیک ہستیوں کا دستِ شفقت تھا۔

لچھاوی کو استدراج میں مہارت تھی۔ وہ کم زور ذہن لوگوں کے حواس پر قابو پا کر نقصان پہنچاتی تھی۔ میرے کانوں میں ابھی تک سورۃ القیٰمۃ کی آیات گونج رہی تھیں جن سے مفروضہ حواس کے زیرِ اثر بننے والا انعکاس ٹوٹ گیا تھا۔ سانبھر پوری رفتار سے اونچی نیچی سرسبز پگڈنڈیوں پر دوڑ رہا تھا۔ میرا ذہن بیدار لیکن لاشعوری حواس مغلوب تھے۔ حواس کے ردّوبدل پر ابھی مجھے پورا اختیار نہیں تھا۔ کوشش سے کامیابی ہو جاتی تھی مگر حد کا تعین نہیں تھا کہ شعور کتنا مغلوب ہو۔ بہرحال میں اگلے حملے کے لئے تیار تھی کہ فریبِ نظر اب کس صورت میں سامنے آتا ہے۔

سوچنے کی دیر تھی کہ زمین پہاڑ کی صورت اٹھنے لگی۔ گھبراہٹ ہوئی لیکن اس بار ہم نہیں رکے۔ پھر زمین دیوار کی مانند عمودی ہوئی جیسے ہم زمین پر نہیں، دیوار پر دوڑ رہے ہیں۔ اس کے بعد دیوار چھت کی طرح پلٹ گئی۔ اب ہم چھت پر لٹکی ہوئی حالت میں دوڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ خوف پیدا ہوا کہ یہ کیسا طلسم ہے۔ شعوری حواس غیر متوازن ہو چکے تھے۔ بصارت باقی حواس پر غالب ہو کر سب کچھ الٹا یعنی معلق دکھا رہی تھی۔

استدراج قلبی کے زیرِ اثر طلسم ردیف ہم پر حاوی تھا جس کا مظاہرہ شک اور خوف کے سبب ہوا تھا۔ کاش میں خوف سے آزاد ہوتی۔ سمجھ سے باہر تھا کہ ہم کس سمت میں جا رہے ہیں۔ خود کو بے بس محسوس کیا تو ذہن

کی اسکرین پر باباجی کا عکس ابھرا۔ وہی باباجی جو مجھے صدیوں پہلے کے اس دور میں لے کر آئے تھے۔

پھر سورۃ المؤمنون کی آیت 78 کی تلاوت گونجی۔

''اور اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔''

تلاوت کی آواز سے جیسے جیسے سماعت سیراب ہو رہی تھی، دماغ میں عجیب سا کرنٹ محسوس ہوا اور پلک جھپکتے ہی منظر بدل گیا۔ ایسا لگا کہ دماغ کے کھلے خانے بند اور بند خانے کھل گئے ہیں۔ سانبھر تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ جو راستہ عموماً کم وقت میں طے ہوتا تھا وہ طویل ہوتا جا رہا تھا اور جوبی پہاڑ تک پہنچنے کا راستہ ہمارے لئے پل صراط بن گیا۔

محققین کہتے ہیں کہ شعوری حواس کی تشکیل کی بنیاد جسم میں موجود نیوران کے خلیات اور ان میں دوڑتے سوڈیم اور پوٹاشیم کے آئنز (ions) پر ہے۔ یہ اشارے (سگنل) تشکیل دیتے ہوئے ریسیپٹر سے شروع ہو کر دماغ تک پہنچتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر شعور اطلاعات کا موازنہ یادداشت میں موجود ریکارڈ سے کرتا ہے، وہ ریکارڈ جو مفروضہ ماحول سے بنا ہے۔ یہ مفروضہ استدراجی عمل کے لئے راستہ بنتا ہے۔

میرے اندر کہیں نہ کہیں خدشات تھے جس کی وجہ سے مفروضہ حواس کا غلبہ بار بار استدراجی حملے کا سبب بن رہا تھا۔ سانبھر چھوٹے ٹیلے کو سر کر کے چوٹی پر موجود درخت کے نیچے پہنچا تو آگے پیچھے سارا منظر سفید ہوگیا۔ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں ہمارے سامنے رکاوٹ بن گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سمتیں گم ہوگئیں۔ طبیعت حیران و پریشان تھی کہ ہمیں عبادت گاہ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ایک کے بعد ایک طلسم ہوش ربا جال بچھایا گیا تھا۔ مجھے وحشت ہونے لگی۔ ذہن مسلسل سوچ بچار میں مصروف تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے کیوں کہ اس علاقے کی اسپیس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی بس میرے لئے منظر بدل جاتا تھا۔ لچھاوی مختلف طلسمات کے ذریعے مجھے دھوکا دے رہی تھی مگر جیسے ہی قرآنی آیات کی تلاوت شروع ہوتی، طلسماتی جال ٹوٹ جاتا۔

درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے خاصا نیچے تھا۔ سانبھر سردی سے کانپ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ ٹھنڈک ہمیں منجمد کردے گی اور ہم پر موت وارد ہوجائے گی۔ جب مفروضہ تکرار بن گیا تو بزرگ خاتون کی آواز گونجی،

بی بی! یہ مایا جال ہے، اسے توڑ دو۔

میں نے پوچھا، کیسے توڑوں—؟

آواز آئی، تم جو دیکھ رہی ہو وہ دھوکا ہے۔

پھر کیا کروں، آنکھیں بند کرلوں—؟

بی بی! آنکھیں بند کرنے سے صرف بصارت معطل ہوگی، باقی چار حواس پر اثر قائم رہے گا۔ اگر کوئی شخص سماعت اور بصارت سے محروم ہو جائے تو بقیہ حواس

نگاہ کا تاثر قائم رکھتے ہیں ۔ ہے سکھی ! جان لو کہ نگاہ بغیر ہدف کے نہیں دیکھتی ۔ دیکھنے کی دو طرزیں ہیں ۔ بالواسطہ دیکھنا یعنی کسی واسطے کے ذریعے دیکھنا اور دوسرا بلاواسطہ دیکھنا یعنی کسی واسطے کے بغیر دیکھنا یا براہ راست دیکھنا۔ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو آئینے میں اپنی صورت نظر آتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آئینہ دیکھ رہے ہیں حالاں کہ ہم آئینہ نہیں دیکھ رہے، آئینے کے اندر عکس دیکھ رہے ہیں ۔ پہلے آئینے نے ہماری تصویر دیکھ کر اپنے اندر جذب کی پھر منعکس کی ۔ ہم نے اپنی تصویر کے انعکاس کو دیکھا۔ یعنی ہم نے آئینے کے دیکھنے (انجذاب وانعکاس) کو دیکھا۔

انہوں نے وضاحت کی کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں، ذہن کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں ۔ آئینے کو واسطہ بنا کر دیکھنا بالواسطہ دیکھنا ہے۔ روحانی طرزوں میں اس طرح دیکھنا فکشن یا غیر حقیقی ہے۔ سکھی! تم اس نکتے کو سمجھ لو اور ذہن کی اسکرین پر ابھرنے والے غیر حقیقی نقوش کو اندر کی آنکھ کا ہدف مت بناؤ۔

بزرگ خاتون کی طویل وضاحت سے ذہن کے بند دریچے کھلے ۔ لچھاوی طلسمات کے ذریعے میرے ذہن کو کنٹرول کر رہی تھی ۔ اس سے پہلے کہ میں سانبھر کے ساتھ منجمد ہو جاتی، آنکھیں بند کر کے پوری شدت سے ماحول کو مسترد کیا اور توجہ عبادت گاہ کے راستے پر مرکوز کر دی۔ تھوڑی دیر میں سردی کی شدت کم ہوئی اور عبادت گاہ کا راستہ روشن ہو گیا۔

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

طلسمی جال ٹوٹنے سے ساعت ایک بار پھر آیات قرآنی سے سیراب ہونے لگی۔

''چوں کہ قریش مانوس ہوئے۔ جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس ۔ لہٰذا ان کو چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔''

(القریش:۱۔۴)

نورانی الفاظ سے ذہن کے آئینے پر پھیلی دھند صاف ہونے لگی۔ خوف، وحشت اور شک دور ہوتے ہی بقیہ سفر سکون سے گزرا۔

شہزادہ جے ونت شاہی مسہری پر بے حس و حرکت دراز تھا۔ وہ بے ہوشی سے نکل چکا تھا۔ اب جسم پر نیند طاری تھی جو صحت یابی کے لئے ضروری تھی ۔ بادشاہ کڈ فیز بیٹے کی بیماری سے اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا کہ بیٹے کی نیند پر بھی بعض اوقات موت کا گمان ہوتا اور وہ گھبرا کر شہزادے کی نبض دیکھنے لگتا۔

بادشاہ کی بے یقینی کی وجہ سے بزرگ خاتون اب تک وہاں ٹھہری ہوئی تھیں ۔ شہزادے کے جسم سے زہر کے اخراج کو 15 گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا تھا۔ کڈ فیز نے کئی مرتبہ بزرگ خاتون سے استفسار کیا کہ آخر یہ کب جاگے گا۔ وہ تسلی دیتیں کہ انتظار کریں اور جگانے کے بجائے اسے خود جاگنے دیں۔

بادشاہ کچھ دیر کے لئے کمرے سے باہر گیا۔ اس دوران شہزادے نے کھانستے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ حلق پر زخم کی وجہ سے وہ کراہنے لگا۔ بزرگ خاتون کے اشارے پر خدمت گاروں نے دردکش جڑی بوٹیوں کا عرق شہزادے کو پلایا۔ نازونعم میں پلنے کی وجہ سے تکلیف شہزادے کے لئے پہاڑ سے کم نہ تھی۔

عبادت گاہ سے محل کا فاصلہ لگ بھگ 30 میل تھا۔ درمیان میں چھوٹے بڑے پہاڑ تھے۔ یہ جگہ بادشاہ کی مستقل رہائش گاہ نہیں تھی بلکہ اس کی حیثیت موجودہ دور کے فارم ہاؤس جیسی تھی۔ کڈفیزز فطری مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے یہاں آتا تھا۔

محل نما فارم ہاؤس لکڑی اور قیمتی پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ رومی اور یونانی طرز تعمیر کا حسین امتزاج تھا۔ (محل کی باقیات نیپال میں، بٹ وال سے دوبھان جاتے ہوئے، راج مرگ روڈ کے جنوب میں واقع جنگلات میں موجود ہیں۔)

محل کے اردگرد مختلف النسل درختوں اور نباتات سے بھرے جنگلات جنگلی حیات کا مسکن تھے۔ یہاں مخروطی شکل کے ہمالین الپائن، سرخ لکڑی والے مدھانی یا ایکروکارپس، کوئلے کی تیاری والے یوٹس یا نیپالین النس، کاٹن پیدا کرنے والے سیمل یا بومبیکس سیبا، خوش بودار لکڑی والے ہمالین دیودار یا سیڈرس دیودار کے درختوں کی کثرت تھی۔ دوسری نسل کے درخت بھی موجود تھے۔ فلک بوس پہاڑوں، قدآور گھنے درختوں، خوش بودار پھولوں، گنگناتے جھرنوں، چٹانوں سے گرتے آبشاروں کی یہ سرزمین جنت کا ٹکڑا تھی۔ دو ہزار سال پہلے کا لمبینی نیپال، ہمالیہ اور تبت آج کے تبت، ہمالیہ اور نیپال سے کئی گنا سرسبز تھا۔

کشان بادشاہ کڈفیزز— لچھاوی، شاہی طبیب اور شہزادے کے ہمراہ بزرگ خاتون سے علاج کی غرض لئے پتالیپترہ (موجودہ پٹنہ) سے یہاں منتقل ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے شہزادے کی موت اور زندگی کے درمیان کم ہوتا فاصلہ بڑھ چکا تھا۔ ولی عہد کی بیماری سے مایوس بادشاہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ جے ونت کو ہوش میں آئے ہفتہ ہوگیا تھا اور وہ تیزی سے روبہ صحت تھا۔ بادشاہ کا یقین بزرگ خاتون پر پختہ ہوگیا۔ وہ مکمل صحت یابی سے پہلے انہیں جانے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

حیرت اس بات پر تھی کہ بزرگ خاتون جوان ہیں پھر سب انہیں بزرگ خاتون کیوں کہتے ہیں۔ جیسے مجھے بی بی کہتے ہیں، انہیں بھی بی بی کہہ سکتے ہیں۔ جب تک ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں بھی انہیں بڑی عمر کی خاتون سمجھتی تھی۔ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ نرم ونازک وجود کی حامل جوان خاتون ہی یہاں کے لوگوں کی بزرگ خاتون ہیں۔ وہ خاص وعام سب میں اسی نام سے مشہور تھیں۔ خدمت خلق اور روحانیت میں بلند

مقام کی وجہ سے سب انہیں بزرگ خاتون کہتے تھے۔

شہزادے نے نرم غذا لینے کے علاوہ سہارے سے چلنا شروع کر دیا تھا۔اس کی توجہ کا مرکز بزرگ خاتون تھیں۔اس کے دل میں ان کے لئے نرم جذبات پیدا ہوگئے تھے۔شہزادے کے ہوش میں آنے کے بعد بھی بادشاہ انہیں حیلے بہانوں سے روک رہا تھا۔

روحانی لوگوں کو کوئی کیسے مجبور کرسکتا ہے۔وہ غیبی حکم کے پابند ہوتے ہیں اوراگلا حکم ملتے ہی چل پڑتے ہیں ۔بزرگ خاتون مصلحت کے تحت یہاں موجود تھیں ۔شہزادے کی صحت بحال ہوتے ہی ایک روز خاموشی سے محل سے نکل گئیں۔انہیں انعام کا لالچ تھا نہ بادشاہ کی نظر میں سرخرو ہونے کی خواہش۔بس یہی چاہتی تھیں کہ جوبی پہاڑ کے باسی خوش وخرم زندگی بسر کریں۔وہ رقعہ بنام بادشاہ سلامت چھوڑ آئی تھیں کہ علاقہ مکینوں کوکسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔انہیں کوئی سروکار نہیں تھا کہ شہزادہ اپنے دل میں ان کے لئے کیا جذبات رکھتا ہے ۔ ویسے بھی جے ونت دل پھینک طبیعت کا مالک تھا۔

بزرگ خاتون کے جانے کی خبر شہزادے کے لئے سوہانِ روح بن گئی۔کسی پل چین نہیں تھا۔بادشاہ نے واپسی کا عندیہ دیا تو شہزادے کی جان حلق میں آ گئی۔ بادشاہ شہزادے کے مزاج سے واقف تھااور دلچسپی محسوس کرلی تھی۔امور سلطنت کا بہانہ بنا کر وہ شہزادے کو واپس پتالیپترہ (پٹنہ) لے جانا چاہتا تھا۔

اگر چہ بادشاہ کنڈل کڈ فیزز کا مزید رکنے کا ارادہ تھا مگر شہزادے کی بزرگ خاتون میں دلچسپی پر اسے تشویش ہوئی ۔ روایات ، شاہی اصولوں اور ذات برادری کی مجبوریوں میں جکڑا بادشاہ، بیٹے کی عیاشیوں پر نرمی کا مظاہرہ کرسکتا تھا مگر بزرگ خاتون کی جانب جھکاؤ قبول نہیں تھا۔ خیال تھا کہ محل پہنچنے پر جب شہزادے کو پرانا ماحول ملے گا تو طبیعت بہل جائے گی۔ اس امید پر وہ شہزادے کو لے کر محل روانہ ہوگیا۔

(قسط: ۱۲)

آسیب زدہ مقامات سے لوگ خوف کھاتے ہیں مگر ایسے منچلے موجود ہیں جوان مقامات پر بصد شوق جاتے ہیں۔اس وجہ سے بعض آسیب زدہ مقامات کو سیاحتی حیثیت حاصل ہوچکی ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایسی جگہوں پر بھوت نظر آنے کے جتنے دعوے ہیں، ان میں کسی بھوت کی شکل خوف ناک نہیں تھی۔البتہ وہ چلتے چلتے ہوا میں غائب ہوجاتے یا دیواروں میں سے گزر جاتے تھے۔اس طرح کی ایک جگہ اسٹینلے ہوٹل (امریکا) ہے جہاں عملے نے مرحومہ مالکن کو پیانو بجاتے سنا ہے، بتیاں خود بخود کھل بند ہوتی ہیں اور راہداری میں بچوں کے ہنسنے کی آوازیں آتی ہیں۔اسی طرح آر ایم ایس کوئن میری نامی پانی کا جہاز اپنی آخری آرام گاہ، کوئن میری کے ساحل پر موجود ہے جس کے بارے میں لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جہاز پر مرنے والوں کی روحیں آج بھی گھوم رہی ہیں۔ان باتوں میں کتنی حقیقت ہے، یہ وہاں جا کر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔

عثمان طاہر

عنکبوت

مکڑی کا تار اسی قطر کے فولاد سے زیادہ مضبوط ہے۔ ہماری ساری ایجادات میں فولاد کا عمل دخل ہے۔ جب مکڑی کا گھر فولادی طور پر مضبوط ہونے کے باوجود کمزور ہے تو جو ایجادات ہم نے کی ہیں اور ترقی کی جس بیلٹ پر ہم کھڑے ہیں، وہ مضبوط کیسے ہوسکتی ہے؟

دنیا ایک طرف غفلت کی انتہا پر پہنچ رہی ہے، دوسری طرف بیداری کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ نظام کی بساط لپٹتی ہے تو خلا نہیں رہتا۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے۔ پانی کی جگہ خشکی اور خشکی کی جگہ پانی لیتا ہے۔ ایک دن پر دوسرا اور دوسرے پر تیسرا دن محیط ہوجاتا ہے۔ بچپن لڑکپن اور لڑکپن جوانی بن جاتی ہے۔ ایک خیال سے ذہن خالی ہوکر دوسرے خیال سے بھر جاتا ہے۔ اسی طرح غفلت بیداری سے دور ہوتی ہے اور نظامِ کائنات میں بیداری کا مفہوم روحانی صلاحیت غالب ہونا ہے۔

آدمی اپنی موجودہ حیثیت سے مطمئن نہیں۔ تسکین و تکمیل کے عارضی سہارے ناکام ہورہے ہیں۔ آدمی دیکھ رہا ہے کہ مادی استطاعت اور وجود محدود ہے مگر غفلت کی انتہا ہے کہ وہ پابندِ ثقل ہونے کی وجہ سے آخری حد تک فرسودہ نظام بچانے کی کوشش میں ہے۔

آدمی دنیا کو سب کچھ سمجھنے کی روش چھوڑنے پر آمادہ نہیں اور آخرت بھول گیا ہے۔ بچپن سے ذہن میں خوف کی پرورش کی جاتی ہے، اللہ سے ڈرایا جاتا ہے اور قیامت کے ذکر میں سزا کا تذکرہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ

★ روزِ قیامت ہم کس کے سامنے حاضر ہوں گے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے۔

★ اللہ کون ہے؟

جواب: ہمارا خالق، مالک، رازق اور کفیل ہے۔

★ مخلوق کے لئے شادمانی کا مقام کیا ہے؟

جواب: اپنے خالق اللہ کے سامنے حاضر ہونا، دیدار اور ہم کلامی کا شرف حاصل کرنا۔

بندہ اللہ سے قریب ہونا چاہتا ہے لیکن مرنا نہیں چاہتا اور موت سے پہلے مرنے سے واقف نہیں ہوتا۔ ڈر اور خوف دیوار بن جاتے ہیں۔ آخرت ـــــ حضوری کا وقت ہے۔ تمام تعریفوں کی حامل مہربان ہستی اللہ سے ملنے کے لئے ہمیں موت کا خوف کیوں ہے ـــــ؟

خالقِ کون و مکان اول ہے اور آخر بھی، ظاہر ہے اور باطن بھی۔ روزِ آخرت میں وہی ہے جو روزِ اول تھا۔ روزِ اول سب نے اللہ کا دیدار کر کے سجدہ کیا۔ آخرت میں بھی دیدار ہے۔ اگر ہمیں اپنے خالق سے ملنے کا خوف ہے تو یہ محبت کی راہ سے انحراف ہے۔ بزرگ بتاتے ہیں کہ اللہ 70 ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

دنیاوی رسوم و رواج کے تحت محبوب سے ملنے کی گھڑی حد درجے خوشی کا موقع ہے۔ ملاقات کے لئے بہترین لباس اور سانسوں کو معطر کرنے والی خوش بو کا انتخاب ہوتا ہے۔ اچھی صحت کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ چہرہ پُرکشش نظر آئے۔ اندر میں توانائی ذخیرہ ہوتی ہے اور خدوخال مسکراتی تصویر بن جاتے ہیں۔

محترم بہن بھائیو! اللہ نے ہمیں دنیا میں بھیجا ہے۔ سوچئے کہ ہمارا محبوب کون ہے —؟

خالق کائنات کا ارشاد ہے،

''کہو، میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔'' (الانعام:۱۶۲)

کیا رگِ جان سے زیادہ قریب محبوب ہستی سے ملنے کا خوف ہوتا ہے —؟ مجازی محبوب سے ملنے کی تیاری میں کوئی خوف دیوار نہیں بنتا، بس فکر ہوتی ہے کہ کہیں میں محبوب کو کھو نہ دوں۔ یہ خیال محبوبِ حقیقی کے لئے کیوں نہیں ہے؟

اپنے خالق اور کفیل اللہ سے ملاقات کے لئے بہترین لباس تقویٰ ہے یعنی ہر اس راہ کا ترک جو غیر اللہ کی طرف لے جائے۔ عمدہ و نفیس خوش بو ہر سانس میں اللہ ھو کا ذکر ہے۔ سانس اندر لیتے وقت اللہ اور خارج کرتے وقت 'ھو' کے تصور سے جسم معطر ہو جاتا ہے۔ اچھی صحت اچھے اعمال ہیں اور سب سے اچھا عمل اختلاف چھوڑ کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے۔ اختلاف کو ہوا دینے کے بجائے جس بات پر اتفاق ہے، اس کو نمایاں کیا جائے تو اختلاف خود بخود دور ہو جاتا ہے جو اللہ کی خوش نودی کا باعث ہے۔

حضور پاکؐ پر بوڑھی عورت کوڑا پھینکتی تھی۔ ایک روز کوڑا نہیں آیا تو رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ نے غیر موجودگی کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ آپؐ عیادت کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ تصور کیجئے کہ عورت پر کیا اثر ہوا ہوگا؟ اخلاق حسنہ سے باطل نظریات ٹوٹ گئے اور وہ ایمان لے آئی۔

ہمیں اللہ سے ملنا ہے اور اللہ سے ملنے کے لئے عمدہ تیاری آس پاس اندر باہر ہر جگہ اللہ کی محبت محسوس کر کے، محبتِ الٰہی کی تصویر بننا ہے۔

خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ پر مکڑی نے جالا بنا لیا ہے۔ میں ہاتھ کو جالے سے آزاد کرتا ہوں، پھر جالا بن جاتا ہے۔ پھر آزاد کرتا ہوں، ہاتھ دوبارہ مکڑی کے جالے کی لپیٹ میں آجاتا ہے جس کی تاریں لمبی ہیں اور پتہ نہیں کس مقام سے آرہی ہیں۔ بالآخر میں

نے سختی سے جالا کھینچ کر ہاتھ آزاد کرلیا۔

صاحبِ رویا نے تعبیر بتائی کہ وسوسوں اور شکوک کی وجہ سے قوت فیصلہ کم زور ہے۔ انہوں نے مکڑی کے گھر سے متعلق آیت پڑھی۔

''جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنالئے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کم زور گھر مکڑی کا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔'' (العنکبوت: ۴۱)

میں نے آیت پر سوچ بچار کے لئے مکڑی کے گھر کے بارے میں معلومات نکالیں۔

مکڑی کے جسم میں چار ہزار باریک نالیاں ہیں۔ ہر نالی سے ایک تار نکلتا ہے۔ نالیوں سے فاصلے پر چار سوراخ ہیں۔ فیکٹری میں مشین کی طرح ہر سوراخ میں سے ہزار تار گزرتے ہیں اور باہر نکلتے وقت ایک تار کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ یعنی چار ہزار تار ـــــ چار تار بن جاتے ہیں۔ چاروں تار جسم میں آخری سرے پر موجود نالی میں سے گزر کر ایک دھاگا بن جاتے ہیں۔ یعنی مکڑی کا ایک تار چار ہزار تاروں سے مل کر بنتا ہے۔

مکڑی کے تار کا قطر ایک انچ کے ہزارویں حصے سے کم ہے۔ اسی موٹائی کی فولادی رسی لی جائے تو مکڑی کا تار زیادہ مضبوط ہے۔ مضبوط ہونے کے ساتھ نہایت ہلکا اور لچک دار ہے اور اپنی طوالت سے چار ہزار گنا کھچ سکتا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اگر مکڑی کے جالے کا ایک تار پوری دنیا کے گرد لپیٹ دیا جائے تو اس کا وزن 320 گرام ہوگا۔ مکڑی کا تار اپنی موٹائی کے برابر فولادی تار سے مضبوط اور ربڑ کے تار سے 30 فی صد زیادہ لچک دار سمجھا جاتا ہے۔

مکڑی اپنے ریشم کو تیزاب کے ذریعے سخت بناتی ہے جس کی تفصیل الگ ہے۔ مکڑی جس مقام پر رہتی ہے، وہاں شہتیروں میں سے گوند نکال کر تاروں پر لگاتی ہے اور ان تاروں سے اپنے تئیں مضبوط گھر بناتی ہے۔ اللہ نے فولاد کی سی طاقت رکھنے والے مکڑی کے گھر کو سب سے کم زور فرمایا ہے، اور یہی گھر اللہ کے حکم سے طوفان اور آندھیوں میں قائم رہتا ہے۔

مکڑی کا تار اسی قطر کے فولاد سے زیادہ مضبوط ہے۔ ہماری ساری ایجادات میں فولاد کا عمل دخل ہے۔ جب مکڑی کا گھر فولادی طور پر مضبوط ہونے کے باوجود کم زور ہے تو جو ایجادات ہم نے کی ہیں اور ترقی کی جس بیلٹ پر ہم کھڑے ہیں، وہ مضبوط کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ بھی مکڑی کے گھر کی طرح کم زور ہے!

کائنات میں مضبوط سے مضبوط چیز بے ثبات اور کم زور ہے۔ فولاد سمیت سب چیزیں ذرّات کی یکجائی ہیں اور کسی گوند سے چپکی ہوئی ہیں۔ گوند کھلے گا، مضبوط چیز بکھر کر طاقت کھودے گی۔

ہم وسوسوں اور شکوک پر عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ بظاہر عمارتیں مضبوط نظر آتی ہیں لیکن ان کی حقیقت

مکڑی کے گھر جیسی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر اپنے جیسے لوگوں اور فولادی ایجادات سے توقع قائم کرنا ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لئے تنکوں کا سہارا ہے۔ ہم نے حقیقی محبت سے منہ موڑ لیا ہے اور مکڑی کے گھر کو پناہ گاہ سمجھ رہے ہیں۔ یقین نہیں ہے کہ اس دنیا کے بعد بھی دنیائیں ہیں جہاں زندگی کے سارے لوازمات موجود ہیں اس لئے ہمیں موت سے ڈر لگتا ہے جب کہ موت محبوبِ حقیقی سے ملنے کا نام ہے۔

ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ہماری راہ نمائی کے لئے بیان کر دی گئی ہے تا کہ ہم وسوسوں اور کچے سہاروں کے جال سے نکل آئیں۔ یہ دنیا پہلی ہے نہ یہاں پر کائنات کا اختتام ہے ـــ دنیا روز ازل سے شروع ہونے والے کارواں کے لئے سرائے ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بے شمار دنیائیں ہیں جن کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے۔

''اور جو لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں اور اپنے عمل درست کر لیں، انہیں خوش خبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہیں۔ جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ایسے پھل اس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیے جاتے تھے۔'' (البقرۃ: ۲۵)

غفلت انتہا کو پہنچ رہی ہے، اس کے بعد بیداری ہے۔ بیداری کے نظام کا حصہ بننے کے لئے نوع انسانی کو شک سے نکل کر ایک طرز فکر پر مجتمع ہونا ہوگا۔ ایسا نقطہ جس میں توحید ہو۔ ایسا نقطہ جس میں اتحاد ہو۔ اختلاف پر مبنی جتنے نظام بنے، سب اپنے ماننے والوں کے ساتھ مٹ چکے ہیں اور جو رہ گئے ہیں، وہ مٹ رہے ہیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''آج کی نسلیں گزشتہ نسلوں سے کہیں زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہونے پر مجبور ہوں گی۔ نتیجے میں نوع انسانی کو کسی نہ کسی وقت نقطۂ توحید کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ تو بجز اس نقطے کے نوع انسانی کسی ایک مرکز پر کبھی جمع نہیں ہو سکے گی۔ موجودہ دور کے مفکر کو چاہئے کہ وہ وحی کی طرز فکر کو سمجھے اور نوع انسانی کی غلط راہ نمائی سے دست کش ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے جسمانی وظیفے جداگانہ ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام نوع انسانی کا جسمانی وظیفہ ایک ہو سکے۔ اب صرف روحانی وظائف باقی رہتے ہیں جن کا مخرج توحید اور صرف توحید ہے۔ اگر دنیا کے مفکرین جدوجہد کر کے ان وظائف کی غلط تعبیروں کو درست کر سکے تو وہ اقوام عالم کو وظیفۂ رُوحانی کے ایک ہی دائرہ میں اکٹھا کر سکتے ہیں اور وہ روحانی دائرہ قرآن کی پیش کردہ توحید ہے۔ اس معاملے میں تعصّبات کو بالائے طاق رکھنا ہی پڑے گا۔ کیوں کہ مستقبل کے خوف ناک تصادم، چاہے وہ معاشی ہوں یا نظریاتی، نوع انسانی کو مجبور کر دیں گے کہ وہ بڑی سے بڑی قیمت لگا کر اپنی بقا تلاش کرے اور بقا کے ذرائع قرآنی توحید کے سوا کسی نظام حکمت سے نہیں مل سکتے۔''

نیّر اعظم

25 فٹ کا بچہ

★ افریقا میں دو کروڑ سے زائد جانور تازہ گھاس اور پانی کے لئے ہر سال تنزانیہ اور کینیا کے درمیان کلاک وائز ہجرت کرتے ہیں۔

★ ہجرت کرنے والے جانوروں میں بیل سے مشابہ جنوبی افریقی ہرن (پاڑا) کا شمار تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے۔

★ تنزانیہ میں جانوروں کی ہجرت کے لحاظ سے دنیا کے دوسرے بڑے نیشنل پارک سرینگیٹی میں قیام کے دوران ہر سال کم و بیش 50 لاکھ پاڑے پیدا ہوتے ہیں۔

★ سفر کے دوران شکار ہونے، پیاس، بھوک اور تھکن سے ہر سال تقریباً ڈھائی لاکھ پاڑے اور 30 ہزار کے قریب زیبرا ہلاک ہو جاتے ہیں۔

★ دریائے مارا کو خونی دریا بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ مگرمچھوں کا مسکن ہے۔

★ سمندری جان دار کِرل (Krill) متعدد آبی مخلوقات کی غذا ہے۔ اوسط لمبائی ایک سے دو سینٹی میٹر ہے۔

★ نیلی وہیل یومیہ تقریباً چالیس لاکھ کِرل کھاتی ہے۔

★ بالغ نیلی وہیل 60 سے 80 فٹ طویل ہوتی ہے اور فی گھنٹا 25 میل یا زیادہ رفتار سے سفر کر سکتی ہے۔

★ نیلی وہیل کا بچہ ابتدائی چھ سے آٹھ مہینوں میں روزانہ ڈیڑھ سو گیلن ماں کا دودھ پیتا ہے۔

ایک دن ناشتے میں چائے اور توس تھے مگر توس پر لگانے کے لئے شہد، مکھن یا جیلی نہیں تھی۔ چائے میں ڈبو کر توس زبان پر رکھا، ذائقہ پسند نہیں آیا۔ بے دلی سے چپ چاپ ناشتا کرتا رہا جیسے خالی توس نہیں کھا رہا، زہر مار کر رہا ہوں۔ سرگوشی ہوئی، اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لو، ممکن ہے کسی کو یہ بھی میسر نہ ہو۔

سرگوشی پر چونک گیا کہ یہ کون ہے جو مجھے ناشکری سے خبردار کر رہا ہے۔ معاملہ یہاں نہیں رکا، ذہن کی اسکرین پر دستاویزی فلم چلنے لگی جو میں نے کئی سال پہلے دیکھی تھی۔ فلم کے مناظر دیکھ کر ادراک ہوا کہ دماغ آڈیو وڈیو لائبریری ہے جس میں سنی اور دیکھی ہوئی بات محفوظ ہو جاتی ہے۔ قارئین! دماغ میں چلنے والی دستاویزی فلم آپ بھی پڑھئے۔

دلکش نظارے، گھنے جنگلات، جنگلی حیات، وسیع صحراؤں اور گہری وادیوں کی سرزمین افریقا رقبے کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا براعظم ہے۔ یہاں کے گھنے جنگلات میں درختوں کی کثرت کی وجہ سے دن میں اندھیرا رہتا ہے اور یہ اندھیرا متنوع حیات کا مسکن ہے۔ فلم آگے بڑھی اور میں نے دیکھا کہ پرندے فضا

میں اڑ رہے ہیں۔ ان میں افریقی بونے کنگ فشر بھی ہیں جن کی طوالت تقریباً چار انچ ہے۔ یہ کنگ فشر کی نوع کی سب سے چھوٹی قسم ہے۔ کنگ فشر سے دور مارشل نامی باز اڑتا ہوا نظر آیا۔ لمبائی ڈھائی فٹ اور پروں کا پھیلاؤ چھ فٹ چار انچ ہے۔ زمین پر تازہ گھاس سے بھرے کھلے میدان میں درختوں کے نیچے کھڑے زرافہ، دوڑتے زیبرا اور شکار کرتے ہوئے شیر، پھرتیلے ہرن اور تیز رفتار چیتے، بھاری بھرکم پاڑے اور پانی میں چھپے چالاک مگرمچھ سب موجود ہیں۔ افریقا کے وسیع رقبے پر جنگلی حیات آباد ہے۔ تاہم زندگی انسانوں کی ہو یا حیوانات کی، اپنی رعنائی کے ساتھ اس خطے میں بھرپور نظر آتی ہے۔

افریقا میدانوں، دریاؤں، صحراؤں اور پہاڑوں کی سرزمین ہے۔ جنگلی حیات کے نظارے کے لئے قرب و بُعد* سے ہر سال ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ سب سے زیادہ جس نظارے کی کشش سیاحوں کو کھینچ کر لاتی ہے وہ تنزانیہ اور کینیا کے درمیان میں جانوروں کی ہجرت ہے۔ اسے جانوروں کی عظیم ہجرت کا نام دیا گیا ہے جو پورے سال جاری رہتی ہے۔

دو کروڑ سے زائد جانور ہجرت میں حصہ لیتے ہیں۔ اکثریت بیل سے مشابہ جنوبی افریقی ہرن کی ہے جنہیں پاڑا (Wildebeest) کہا جاتا ہے۔ ان کا شمار تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے۔ سفر کے دوران تنزانیہ میں واقع جانوروں کی ہجرت کے لحاظ سے دنیا کے دوسرے بڑے نیشنل پارک سرینگیٹی میں جمع ہوتے ہیں جہاں ان کا قیام جنوری سے مارچ تک ہوتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس عرصے میں کم و بیش 50 لاکھ پاڑوں کی ولادت ہوتی ہے۔ ان کی شرح ولادت سب سے زیادہ فروری میں ریکارڈ کی گئی ہے جب ایک دن میں تقریباً آٹھ ہزار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

ہجرت کا مقصد تازہ گھاس اور پانی کا حصول ہے۔ یہ جانور بارشوں کا پیچھا کرتے ہیں یعنی جن علاقوں میں بارشیں ہوتی ہیں، وہ ان کا اگلا پڑاؤ ہے۔ پاڑے کے علاوہ غزال، زیبرے اور دیگر جانور تنزانیہ اور کینیا کے درمیان کلاک وائز ہجرت کرتے ہوئے آٹھ سو کلومیٹر یا زیادہ فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اس عرصے میں شکار ہونے، پیاس، بھوک اور تھکن سے ہر سال تقریباً ڈھائی لاکھ پاڑے اور 30 ہزار کے قریب زیبرا شکار ہو جاتے ہیں۔

افریقا میں جانور عظیم ہجرت کے دوران ایک سال میں مختلف مقامات پر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ مقام کا انتخاب بارش کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ بھوک پیاس کے لئے ان کا سفر خطرات سے پُر ہے۔ خطرناک تالابوں میں سے گزرتے ہیں، دریا عبور کرتے ہیں،

---

* قرب و بُعد (دور اور قریب)

مگرمچھوں، چیتوں، تیندووں اور شیرنیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔شکاری جانور ہر سال ہجرت کا بے صبری سے انتظار کرتے ہیں۔اس سفر میں کتنے ہی جانور زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں اور انہی راستوں میں کئی زندگیاں جنم لیتی ہیں۔

شیر، چیتے، تیندوے اور مگرمچھ وغیرہ علاقائی جانور ہیں یعنی مخصوص علاقے میں رہتے ہیں۔آپ نے گلی کوچوں میں کتے دیکھے ہیں۔باہر سے کوئی کتا ان کے علاقے میں آجائے تو سارے کتے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو حد پار ہو جاتی ہے۔

شیروں میں البتہ یہ فرق ہے کہ ایک شیر کئی شیرنیوں کے ساتھ رہتا ہے۔علاقے میں نیا شیر آجائے تو قیام کے لئے طاقت کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔وہ علاقہ حاصل کر لیتا ہے یا قسمت کہیں اور آزماتا ہے۔

سخت گرمی اور پانی کی کمی کے دوران شیرنیاں اور چیتے تالابوں کے آس پاس گھات لگائے بیٹھتے ہیں۔کوشش ہوتی ہے کہ شکار پانی پی کر واپس جانے کے بجائے ان کی خوراک بن جائے۔میں نے شیر کا ذکر نہیں کیا کیوں کہ زیادہ تر شکار شیرنی کرتی ہے۔

شیرنیوں کی طرح تالاب میں مگرمچھوں کے دن ہجرت کرنے والے جانوروں کے انتظار میں گزرتے ہیں۔جانور تنزانیہ اور کینیا کی سرحد پر بہتے دریا مارا (Mara) پر پہنچتے ہیں۔یہاں پانی کا بہاؤ تیز اور کنارا ڈھلوان نما ہے۔اسے خونی دریا بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ مگرمچھوں کا مسکن ہے۔

دریائے مارا میں کچھ جانور مگرمچھوں کا شکار بنتے ہیں اور باقی دریا عبور کر لیتے ہیں۔مارا دریا میں پھیلنے والی لاشیں مگرمچھوں کے علاوہ گدھ کی خوراک بنتی ہیں۔زندہ بچنے والے جانور آگے میدان میں اکٹھے ہوتے ہیں۔یہاں بچوں کی پیدائش ہوتی ہے۔چند ہفتوں میں بچے بڑے ہوتے ہیں، اس کے بعد جانوروں کی واپسی کا سفر شروع ہوتا ہے۔

افریقی جانوروں کی عظیم ہجرت سالوں سے جاری ہے۔اس دوران جہاں سبزہ خور جانوروں کی نسل بڑھتی ہے وہاں یہ ہجرت گوشت خور جانوروں کو خوراک کی فراہمی کا قدرتی پروگرام ہے۔

افریقی بھینس اور ہرن کے غول پر شکاری جانور حملہ کرتا ہے تو بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ کوئی شکار ہو جائے تو ساتھی کے کھونے پر سب رنجیدہ ہوتے ہیں لیکن اب جان کا خطرہ نہیں رہتا۔ ان کو پتہ ہے کہ گوشت خور جانور ذخیرہ اندوزی کے قائل نہیں۔ وہ ایک بھوک میں ایک شکار سے پیٹ بھرتے ہیں۔

یہ افریقا میں جانوروں کی عظیم ہجرت اور غذا کی فراہمی کی چند جھلکیاں ہیں۔

ذہن میں بات آئی کہ میرے لئے یہ معلومات سبق ہیں۔ قارئین! شکار کرنا اتنا آسان نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ شکار ہجوم میں سامنے ہے لیکن شکاری کو سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور زور آور ہونے کے باوجود جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ توانا زیبرا شیرنی کے لات رسید کردے تو ہڈی ٹوٹ سکتی ہے۔ ان علاقوں میں لنگڑا کر چلنے والے جانور دیکھے گئے ہیں۔

افریقا کے جنگلات میں جنگلی بھینسوں کے حوالے سے آپ نے کئی کہانیاں پڑھی ہوں گی ۔ یہ غصیلے اور منتقم مزاج ہوتے ہیں ۔ کسی کی پروا نہیں کرتے ۔ بچہ شکار ہو جائے تو ماں شیرنیوں سے لڑ پڑتی ہے۔ کبھی کبھار بھینسے مل کر اس شیر یا شیرنی پر حملہ کرتے ہیں جس نے کبھی کسی بھینسے کا شکار کیا ہو۔

شیر کو بھینسے کا سینگ لگ جائے تو یہ جان لیوا ہوسکتا ہے۔ یعنی رزق موجود ہے لیکن حصول کے لئے قدرت نے جدوجہد رکھی ہے۔ سبزہ خور جانور رزق کی تلاش میں جان ہتھیلی پر رکھ کر سینکڑوں میل سفر کرتے ہیں اور شکاری جانور منصوبے بنا کر حملہ کرتے ہیں۔

ہجرت کا موسم گزرنے کے بعد شکاری جانوروں کے لئے شکار کرنا مشکل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض دفعہ شیر کا قبیلہ کئی دن بھوکا رہتا ہے، شکار سامنے آئے تو پکڑنے کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔

افریقی جانوروں کی عظیم ہجرت کی فلم ختم ہوتے ہی ایک اور دستاویزی فلم پڑھیے۔

کِرل (Krill) چھوٹے سمندری جان دار ہیں جن کی اوسط لمبائی ایک سے دو سینٹی میٹر ہے۔ یہ جان دار کئی آبی مخلوقات کا رزق ہے اور اس کی سب سے بڑی شکاری نیلی وہیل ہے۔ نیلی وہیل 60 سے 80 فٹ طویل ہوتی ہے ۔ بعض اقسام کی طوالت 100 فٹ بتائی جاتی ہے۔ بالغ نیلی وہیل کا اوسط وزن 173 ٹن بتایا جاتا ہے۔ اس کے سفر کرنے کی رفتار پانچ میل فی گھنٹا ہے تاہم خطرے کی صورت میں ایک گھنٹے میں 25 میل یا زیادہ سفر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جب اتنی بڑی وہیل دو سینٹی میٹر کے جان دار کرل پر گزارہ کرتی ہے تو سوچیے کہ وہ دن میں کتنے کِرل کھاتی ہوگی؟

اندازے کے مطابق نیلی وہیل ایک دن میں تقریباً چالیس لاکھ کِرل کھاتی ہے۔ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ نیلی وہیل کا بچہ ماں کے دودھ پر پلتا ہے اور

پیدائش کے بعد ابتدائی چھ سے آٹھ مہینوں میں روزانہ ڈیڑھ سو گیلن دودھ پیتا ہے۔ایک گیلن تقریباً پونے چار لیٹر ہے۔حساب لگائیں کہ وہ ایک دن میں کتنے لیٹر دودھ پیتا ہے ___؟ یہ بھی سوچئے کہ کِرل لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں اور بھوکے نہیں رہتے، موت کے ساتھ ان کا رزق بھی سمندر میں ہے۔کِرل کی غذا کا حساب لگانا محال ہے۔یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ روز کتنے کِرل پیدا ہوتے ہیں اور جس مخلوق کو کھاتے ہیں ان کی پیدائش کی شرح کیا ہے۔

نیلی وہیل صرف کھاتی، پیتی اور گھومتی نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کا ساتھ ہو تو ماں چوکنا رہتی ہے۔ بچے کی جسامت پیدائش کے وقت تقریباً 25 فٹ ہوتی ہے۔ اور 25 فٹ کے بچے کو کس سے خطرہ ہے ___؟

کِلر وہیل سے ! یہ نام ماہی گیروں نے دیا ہے۔یہ وہیل نہیں، ڈولفن کے خاندان میں سب سے بڑا جانور ہے۔ماہی گیروں نے اسے نیلی وہیل کے بچے کا شکار کرتے دیکھا تو نام کِلر وہیل یعنی قاتل وہیل رکھ دیا۔

کِلر وہیل کا سائز 16 سے 26 فٹ ہے۔کِلر وہیل اکیلے نیلی وہیل کے بچے کا شکار نہیں کرسکتی، گروہ کے ساتھ مل کر حملہ کرتی ہے۔انہیں ماں سے خطرہ رہتا ہے جو بچے کو خطرے میں دیکھ کر قریب آگئی تو کِلر وہیل کی خیر نہیں ہے۔ نیلی وہیل بچے کو بچانے کے لئے دم مارسکتی ہے۔60 سے 80 فٹ لمبی وہیل جس کی دم اگر 26 فٹ کی کِلر وہیل کو لگ جائے تو کیا ہوگا ___؟ شکار جتنا خطرے میں ہے، اتنا خطرہ شکاری کو بھی ہے۔

زندگی وہیل کی ہو، شیر، بھینسے یا ہرن کی ___ مسلسل کوشش میں گزرتی ہے۔

میری توجہ واپس ناشتے پر مرکوز ہوگئی۔آواز آئی کہ اگر توس کے ساتھ مکھن لگانا تھا تو بازار جاکر خرید لیتے، منہ بنا کر کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ محنت کرنا نہیں چاہتے اور جو میسر ہے اس پر ناشکری کرتے ہو؟

میں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

جانور اپنے گروہوں میں رہتے ہیں اور ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا اور سفر کرنا پسند کرتے ہیں لیکن یہ بات زیبرے اور پاڑے (Wildebeest) پر صادق نہیں آتی۔ ہر سال تنزانیہ اور کینیا کے درمیان خوراک اور نسل کی افزائش کے لئے جانوروں کی ہجرت کے دوران زیبرا اور پاڑا عموماً ساتھ رہتے ہیں۔ایک دوسرے سے خطرہ نہ ہونے کی وجہ سے جلد دوست بن جاتے ہیں۔زیبرا میدانی علاقوں میں لمبی سخت گھاس کھاتا ہے جب کہ وائلڈی بیسٹ چھوٹی گھاس کھانا پسند کرتے ہیں۔زیبرا کی یادداشت اچھی ہے جو پاڑے کو ہجرت کے دوران محتاط راستہ اختیار کرنے میں مدد دیتی ہے۔دوسری طرف پاڑے کی سونگھنے کی حس تیز ہے وہ بنجر علاقے میں پانی کا سراغ لگا سکتا ہے۔

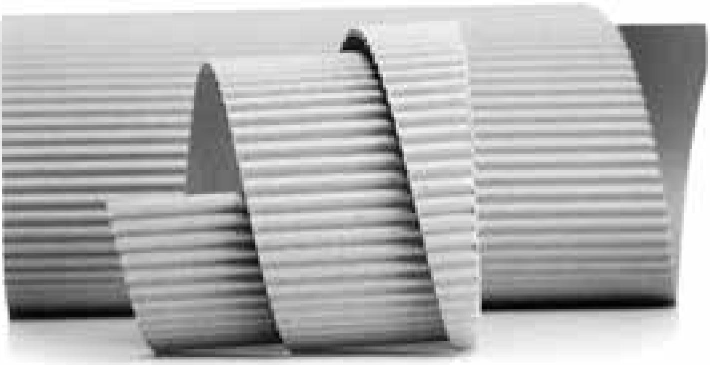

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

ہونہار بچو، السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا تخلیق کی اور دنیا میں رہنے کے لئے اصول بنائے۔ جو لوگ اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہیں، اللہ ان سے خوش ہوتا ہے۔ ایسے لوگ پُرسکون رہتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے حکم پر عمل نہیں کرتے وہ ناخوش رہتے ہیں۔ اللہ کسی کام سے اس لئے منع کرتے ہیں کیوں کہ اس سے ہمیں نقصان پہنچتا ہے۔

پوری دنیا میں جو بیماری آئی ہے وہ ایسے وائرس کی وجہ سے ہے جو اتنا چھوٹا ہے کہ نظر نہیں آتا۔

سوال یہ ہے کہ سائنسی ترقی کے دعوے کے باوجود اب تک اس وائرس سے ہونے والی بیماری کا علاج دریافت کیوں نہیں کیا جا سکا؟

جب سائنس دان ہیروشیما پہاڑ کو ایٹم بم سے دھویں میں تبدیل کر سکتے ہیں تو یہ وائرس کیوں ختم نہیں ہوسکتا؟ جب کہ وائرس ختم ہوسکتا ہے کیوں کہ دنیا میں ہر مرض کا علاج موجود ہے۔

جواب کی تلاش میں اساتذہ کرام اور والدین سے مشورہ کر سکتے ہیں۔

آپ کا دوست ــــ قلندر شعور

★ جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 20 جولائی ہے۔

****

اپریل 2020ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ ہرا بھرا درخت ایک وقت کے بعد پتّوں سے خالی کیوں ہو جاتا ہے؟ آنے، جانے، غائب اور حاضر ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ہرے بھرے درخت کی خوب صورتی برقرار کیوں نہیں رہتی؟ پتّے کیوں رنگ تبدیل کر کے مٹی میں مل جاتے ہیں؟ بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ بچوں کے جوابات شائع کئے جا رہے ہیں۔

◇ طاہرہ منور، جماعت سوم (کراچی): درخت اور دوسری مخلوقات اس لئے غائب ہوتی ہیں کیوں کہ ہمیشہ رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ مخلوق غیب ظاہر غیب ہوتی رہتی ہے اور بالآخر غیب ہو جاتی ہے۔

بلال زبیر، جماعت پنجم (کراچی): درختوں کی خوب صورتی برقرار نہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ درخت موسم کا اثر قبول کرتے ہیں اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

◇ عائشہ تنویر، جماعت ششم (اسلام آباد): آنے، جانے، ظاہر اور غیب ہونے کا مطلب ہے کہ شے بار بار تبدیل ہوتی ہے۔ تبدیل ہونے سے درخت کی خوب صورتی برقرار نہیں رہتی۔ ایک وقت کے بعد زمین درخت کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

◇ آمنہ خان (پشاور): اگر تبدیلی نہیں ہوگی تو بیج، پودا اور پودا درخت کیسے بنے گا؟

◇ عبدالرحمٰن انجم (فیصل آباد): دنیا فانی ہے۔ ہم پہلے جہاں تھے، وہاں غائب ہو کر یہاں حاضر ہو گئے۔

◇ قاسم محمود (کوئٹہ): پتّے درخت سے خالی اس لئے ہوتے ہیں کیوں کہ ان کی اصل درخت کے بجائے زمین ہے۔ وہ اپنی عمر پوری کر کے زمین میں مل جاتے ہیں۔

◇ آمنہ ظہور (میانوالی): کسی چیز کا غائب اور حاضر ہونا آنکھوں کا دھوکا ہے۔

◇ عبداللہ انجم (فیصل آباد): دنیا نظر کا دھوکا ہے۔ جو چیز نظر آتی ہے، اگلے لمحے غائب ہو جاتی ہے۔

◇ احمد محی الدین، جماعت ہشتم (چشمہ): اللہ کے سوا کائنات میں ہر چیز الوژن ہے۔

◇ فضا (فیصل آباد): درخت پتّوں سے اس لئے خالی ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

****

کل شئ یرجع الیٰ اصلہٖ

ترجمہ: ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

کسی گاؤں میں سنگ تراش رہتا تھا جو پہاڑی پتھروں سے مجسمے بناتا تھا۔

بچو! کیا آپ نے سوچا ہے کہ پہاڑ کیسے بنتا ہے؟ ذرّہ ذرّہ ملنے سے کنکر بنتا ہے اور کنکر اکٹھے ہوتے ہیں تو پتھر بن جاتا ہے۔ پتھر میں مزید مٹی شامل ہوتی ہے تو چٹان بنتی ہے اور بہت ساری چٹانیں مل کر پہاڑ بن جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ پہاڑ ذرّات کا مجموعہ ہے۔

پہاڑ اوپر سے ہے لیکن اس کی بنیاد 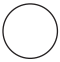 ہے۔ پیارے اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح زمین میں گاڑا ہوا ہے تاکہ زمین کا توازن برقرار رہے۔

اللہ نے پہاڑوں کو خاص ترکیب اور حکمت سے پیدا کیا ہے۔ جس طرح لکڑی کی ساخت اور موٹائی کے مطابق کیل ٹھوکی جاتی ہے اسی طرح زمین کے مختلف حصوں میں پہاڑ مختلف ہیں۔ کہیں پہاڑ بڑے اور کہیں چھوٹے ہیں۔ کسی کی اٹھان سیدھی ہے تو کسی کا پھیلاؤ زیادہ ہے۔ کہیں دور دور تک پہاڑوں کا نام و نشان نہیں لیکن پہاڑ جن ذرّات پر قائم ہے، وہ ذرّات ہر جگہ موجود ہیں۔

ذہین بچو! آپ اس بات سے کیا سمجھے؟

دنیا میں 80 فی صد میٹھا پانی پہاڑوں میں سے نکلتا ہے۔ پہاڑ مختلف طریقوں سے مخلوق کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

> ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے سجدہ کرتا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان۔'' (الحج: ۱۸)

پیارے بچو! سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ جان دار ہیں، سانس لیتے ہیں، سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، ان کے بچے ہوتے ہیں جنہیں ہم چھوٹے پہاڑ کہتے ہیں، اور اللہ کے حکم سے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت بھی کرتے ہیں اور بادلوں کی طرح اڑتے ہیں۔

سنگ تراش مٹی پہاڑوں سے لیتا تھا لیکن حکمت

پر غور نہیں کیا۔ اس کا مقصد صرف تصویر بنانا تھا۔ وہ زندگی سے خوش تھا۔ پھر ایک روز اس نے اپنا موازنہ کسی امیر آدمی سے کیا تو خوشی — ناخوشی میں تبدیل ہوگئی۔

ہوا یہ کہ وہ سنگِ مرمر تراش کر امیر شخص کے گھر لے گیا اور گھر کی سج دھج سے متاثر ہوا۔ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! میں امیر ہوتا۔

اگلے روز کام میں دل نہیں لگا۔ سر پر امیر بننے کی دھن سوار تھی۔ جس کام میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا تھا، آج اسے کرتے ہوئے سر بھاری ہوگیا۔ دن اسی سوچ میں گزر گیا کہ کاش میں امیر ہوتا، قیمتی پتھروں سے سجے گھر میں رہتا اور آرام دہ بستر پر سوتا۔

ایک روز آواز سنائی دی — تمہاری خواہش سن لی گئی ہے۔ اب تم امیر ہو۔ ادھر ادھر دیکھا، کوئی نظر نہیں آیا۔ آواز کہاں سے آئی ہے، آس پاس سے، دل سے یا آسمان سے —؟ وہم سمجھ کر اوزار اٹھائے اور گھر کی جانب چلنے لگا۔ گھر کے قریب پہنچ کر ہکا بکا رہ گیا — جھونپڑی کی جگہ عالی شان گھر منتظر تھا۔ خوشی سے پھولے نہ سمایا اور اندر داخل ہوا۔ آرام کی ہر شے میسر تھی۔ وہ نئی زندگی میں ایسا مگن ہوا کہ یاد نہیں رہا کہ کبھی وہ سنگ تراش تھا۔

گرمیاں شروع ہوچکی تھیں۔ تیز دھوپ میں پتھروں سے بنا گھر تنور بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے گرم موسم میں ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں۔ گرمی سے بچنے کے لئے سنگ تراش نے کھڑکی کھولی، تازہ ہوا کا جھونکا آیا اور وجود ہلکا پھلکا ہوگیا۔ اتنے میں شاہی سواری گزری جس میں شہزادہ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک خادم پنکھا جھل رہا تھا جب کہ دوسرے خادم کے ہاتھ میں سنہرے رنگ کی چھتری تھی۔

آہ نکلی — کاش! میں شہزادہ ہوتا۔ آن، بان اور شان سے شاہی سواری میں بیٹھتا اور خادم پنکھا جھل رہے ہوتے۔ خواہش کا اظہار کرتے ہی وہ شہزادہ بن گیا اور خود کو شاہی سواری میں بیٹھا دیکھا۔ محل میں خادموں کی فوج تھی۔ حکم کرتے ہی شے حاضر ہو جاتی۔ خواہشیں پوری ہونے پر مزید آسائشیں حاصل کرنے کی تمنا چین سے سونے نہ دیتی۔

گرمی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اسے محل کے بڑے باغ میں بیٹھنا پسند تھا۔ سائبان کے نیچے بیٹھنے کے باوجود لُو سے رنگ جلنے لگا۔

اس نے سوچا، سورج مجھ سے زیادہ طاقت ور

ہے ۔ جس پر اس کی شعاع پڑتی ہے ، اس میں جذب ہوجاتی ہے۔ کاش! میں سورج ہوتا۔

آواز آئی، تمہاری دلی مراد پوری ہوئی!

اور — وہ سورج بن گیا۔ فخر محسوس ہوا کہ پوری دنیا اسے دیکھتی اور اس سے متاثر ہوتی ہے۔ جذبات کی رو میں بہہ کر معمول سے زیادہ حدت خارج کرنا شروع کردی۔ مخلوقات پریشان ہوگئیں، کھیت جل گئے، دریا میں پانی خشک ہونے لگا لیکن سورج نے پروا نہیں کی۔ اس عادت کی وجہ سے دوسری آسمانی مخلوقات نے اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ اسے دوستوں کی بے وفائی پر غصہ آنے لگا۔ غصے میں مزید گرم اور بے چین ہوجاتا۔ نتیجے میں حدت سے مخلوق نڈھال ہوجاتی۔

اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور بادلوں کو حکم دیا کہ سورج کے آگے آجائیں ۔ بادلوں نے سورج کو ڈھک دیا۔ سورج مزید بپھر گیا اور کہنے لگا، اے بادلو! تم نے میری روشنی پھیلنے سے روک دی ہے۔ میری طاقت کا کیا فائدہ جو بادل کے آگے زیر ہوجائے ۔ مجھے نہیں چاہیے ایسی طاقت۔ کاش! میں بادل ہوتا۔

آواز آئی — خواہش پوری ہوئی۔ اب تم بادل بن گئے ہو۔ خوشی سے نہال بادل نے بارش برسائی۔ زمین پر مخلوقات نے سکون کا سانس لیا۔ ہر طرف ہریالی ہوئی اور خشک دریا رواں ہوگئے ۔ روزانہ ایک ہی کام کرنے سے بادل تنگ آگیا ۔ جذبات میں ہلچل پیدا ہونے سے اتنی بارش برسی کہ ندی، نالوں اور دریا کے بند ٹوٹ گئے ۔ سیلاب آنے سے فصلیں خراب ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر بادل اپنی طاقت پر نازاں ہوا۔ خوشی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تیرنے لگا۔ نظر پہاڑ کی چوٹی پر پڑی جس پر آکر وہ ٹھہر گیا۔ اس نے دیکھا بارش سے پوری دنیا متاثر ہوئی ہے لیکن پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ حیرانی ہوئی کہ کیا یہ پہاڑ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے؟ کاش! میں پہاڑ ہوتا۔

آواز آئی — خواہش پوری کردی گئی ہے۔

اب وہ پہاڑ بن گیا تھا جس کے اندر معدنیات کا ذخیرہ تھا۔ خوشی تھی کہ برف ہو یا پانی — ہوا تیز چلے یا ٹھہر جائے ، پہاڑ پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ پہاڑ بننا سب سے بہتر ہے۔

وہ آرام کررہا تھا کہ شور سے آنکھ کھل گئی۔ چٹانیں رو رہی تھیں کیوں کہ ایک سنگ تراش انہیں توڑ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور سوچا، کیا پہاڑ طاقت ور نہیں —؟ سنگ تراش مجھے ریزہ ریزہ کردے گا۔

اس میں اتنی طاقت ہے کہ ایک ضرب سے چٹان ٹوٹ جاتی ہے۔کاش! میں سنگ تراش ہوتا۔

آواز گونجی ــــ خواہش پوری کردی ہے اور تمہیں دوبارہ سنگ تراش بنادیا گیا ہے۔

آواز سن کر اسے اپنا ماضی یاد آ گیا۔

وہ سنگ تراش تھا مگر اپنی اہمیت نہیں جانی اور دوسروں سے متاثر ہوکر اپنی اصل سے دور ہو گیا۔ خوشی ہوئی کہ اسے دوبارہ سنگ تراش بنادیا گیا ہے۔ قدرت اسے ہر چیز سے گزار کر دوبارہ اس مقام پر لے آئی جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔

ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹ رہی ہے۔آدمی مٹی سے بنا ہے۔ مٹی میں پیدا ہونے والی غذا، اناج، پھل، سبزی کھاتا ہے۔ مرتا ہے تو اسے مٹی میں دفن کردیتے ہیں اور بالآخر وہ مٹی بن جاتا ہے۔

مختلف حالات سے گزرنے کے بعد سنگ تراش نے سبق سیکھا کہ اللہ جس حال میں رکھتا ہے، وہی بہتر ہے۔ جو شخص اپنے حال پر صبر نہیں کرتا اور ناشکری کرتا ہے، وہ خواہشوں کے جال میں پھنس جاتا ہے۔اسے سب کچھ ملتا ہے لیکن سکون نہیں ملتا۔ پُرسکون شخص وہ ہے جو اللہ کی رضا میں راضی ہے۔

جو بوجھے، وہ جانے

۱۔ یہ دنیا فانی ہے
پتھر میں پانی ہے

۲۔ جب بھی وہ میدان میں آئے
قدم قدم پر ٹھوکر کھائے

۳۔ اچھلے کودے دوڑے بھاگے
سب ہیں پیچھے وہ ہے آگے
جب دیکھو پانی میں پڑا ہے
پانی بہتا ہے وہ کھڑا ہے

۴۔ بزدل ہے وہ جس نے کھایا
بہادر نے پی کر دکھایا

۵۔ کان پکڑ کے ناک پر بیٹھے
ناک چڑھی کہلائے
لوگ اسے آنکھوں پر بٹھائیں
اور وہ پھولے نہ سمائے

۶۔ کراچی پہنچے، ڈھاکا پہنچے، جا پہنچے قندھار
لندن، پیرس، برلن پہنچے، جائے سمندر پار
دنیا بھر کا چکر کاٹے اور نہ دیر لگائے
دیس دیس کی بولی بولے سب کا جی بہلائے

جوابات:
۱۔ برف ۲۔ فٹ بال ۳۔ عکس ۴۔ غصہ
۵۔ عینک ۶۔ ریڈیو

ایسی زبان جس کا بغدادی قاعدہ نہیں

مغل بادشاہ محافظوں کے ہمراہ شکار پر نکلا۔ شاہی قافلے کو ہرن نظر آیا۔۔۔ ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے وہ جنگل میں کھوگئے۔ راستے کی تلاش میں چوراہے پر پہنچے۔ چوراہا ایسا مقام ہے جہاں سے چاروں طرف راستہ نکلتا ہے۔ ایک سڑک سامنے کو جاتی تھی، دوسری دائیں اور تیسری بائیں جانب لے جاتی تھی۔ بتایئے چوتھی سڑک کون سی تھی؟

چوراہے پر پہنچ کر شاہی قافلے کی جان میں جان آئی۔ سب خوش ہوئے کہ اب جلد آگرہ پہنچ جائیں گے لیکن خوشی زیادہ دیر قائم نہ رہی کیوں کہ قافلے والوں کے لئے سارے راستے نئے تھے۔ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ کون سا راستہ انہیں محل پہنچائے گا۔

اتنے میں وہاں سے ایک لڑکے کا گزر ہوا۔ بادشاہ نے آواز دی، نوجوان! کیا تم بتا سکتے ہو کہ ان میں سے کون سا راستہ آگرہ جائے گا؟

نوجوان نے ہنستے ہوئے جواب دیا، ان میں سے کوئی راستہ آگرہ کو نہیں جاتا۔

سپاہی حیران ہوئے کہ لڑکا بادشاہ سے اس طرح کیسے بات کرسکتا ہے؟

ایک سپاہی سرزنش کے لئے آگے بڑھا تو بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ بادشاہ لڑکے کے اعتماد سے متاثر ہوا تھا۔ اس نے پوچھا، کیا ایک بھی راستہ آگرہ کو نہیں جاتا؟

لڑکے نے ایک بار پھر ہنستے ہوئے جواب دیا، راستہ کیسے آگرہ جاسکتا ہے؟ یہ تو اپنی جگہ پر قائم ہے۔ کبھی دیکھا نہیں کہ کوئی راستہ آگرہ گیا ہو لیکن راستے پر چل کر آپ ضرور آگرہ پہنچ سکتے ہیں۔

بادشاہ جواب سے محظوظ ہوا، بہت خوب! تم درست کہتے ہو۔ راستہ کیسے آگرہ جاسکتا ہے!

نوجوان نے پوچھا، آپ حلیے سے امیر معلوم ہوتے ہیں، اس طرف کیسے آنا ہوا؟

محافظ نے لڑکے کو ہوشیار کیا، تم ہندوستان کے بادشاہ سے مخاطب ہو۔

لڑکا چونک گیا اور آداب عرض کیا۔

بادشاہ بولا، مجھے دربار میں تمہارے جیسے بے خوف نوجوان کی ضرورت ہے۔ انگوٹھی اتار کر تحفے

میں دی اور کہا، کبھی محل آنا چاہو تو انگوٹھی دکھا دینا، تمہیں پہچان لوں گا، فی الحال آگرہ کا راستہ بتاؤ۔

کچھ سالوں بعد وہ لڑکا بادشاہ سے ملنے آیا۔ محل کے باہر پہنچا تو دربان نے روک دیا۔ اس نے بتایا کہ بادشاہ سے ملاقات کے لئے آیا ہوں۔

محافظ نے آنے والے کا حلیہ دیکھ کر اندر جانے نہیں دیا اور کہا، دیکھو! بادشاہ سلامت تم سے نہیں ملنا چاہتے، وہ مصروف ہیں۔

وہ بولا، بادشاہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کی انگوٹھی میرے پاس ہے۔ چند سال پہلے انہوں نے محل میں آنے کی دعوت دی تھی۔ مجھے جانے دو۔

انگوٹھی دیکھ کر محافظ بولا، ایک شرط پر جا سکتے ہو۔

تمہاری کیا شرط ہے؟

بادشاہ تمہیں جس چیز سے بھی نوازے، اس میں آدھا حصہ میرا ہوگا۔

لڑکے نے توقف کے بعد شرط منظور کر لی۔

سادہ لباس زیب تن کئے وہ امیروں اور وزیروں کے درمیان میں سے اعتماد سے گزرتا ہوا تخت سے چند فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ حضور کا اقبال بلند ہو۔ غلام حاضر ہے۔ انگوٹھی پیش کی۔

بادشاہ نے پہچان لیا۔ تمہیں دربار میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ بتاؤ تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟

لڑکے نے بے فکری سے کہا، جناب عالی! زیادہ نہیں، بس 50 کوڑے لگوا دیں۔

بادشاہ کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ جب تم نے کچھ نہیں کیا تو کوڑے کیوں لگواؤں۔ کچھ اور مانگو؟

وہ بولا، کیا بادشاہ اپنے قول کی پاسداری نہیں کریں گے؟

بادشاہ کے چہرے پر تشویش تھی۔ حکم دیا، نوجوان کو 50 کوڑے لگائے جائیں۔

درباری حیران تھے کہ بے وقوف نوجوان نے بادشاہ سے مانگا بھی تو کیا مانگا۔

کوڑے لگنے شروع ہوئے وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ جیسے ہی پچیسواں کوڑا لگا، اس نے کہا، بس رک جائیں۔ میرا حصہ پورا ہوا، اب محافظ کی باری ہے۔

بادشاہ نے کہا، کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟ پہلی ملاقات میں سمجھ دار معلوم ہوئے تھے، آج کیا ہوگیا؟ کہاں گئی تمہاری حاضر جوابی؟

نوجوان نے کہا، جناب! آپ کے محافظ نے اس شرط پر مجھے دربار میں آنے دیا ہے کہ آپ مجھے جو انعام عطا کریں گے، اس میں آدھا حق اس کا ہوگا۔

میں وعدہ پورا کرنا چاہتا ہوں۔

بادشاہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔ محافظ کو بلایا گیا اور رشوت مانگنے پر سزا ملی۔ بادشاہ نے نوجوان سے کہا، تم نے عقل مندی سے معاملہ حل کیا، میں متاثر ہوا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم دربار کا حصہ بنو اور معاملات سلجھانے میں ہماری مدد کرو۔ میں تمہیں بیربل کا خطاب دیتا ہوں۔

بچو! بادشاہ کا نام جلال الدین اکبر تھا۔

ایک روز دربار میں ماہرِ لسانیات آیا۔ بچو! ماہر لسانیات ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کئی زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ ماہرِ لسانیات نے دربار میں مختلف زبانوں میں مہارت سے بات کی۔ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس کی مادری زبان کون سی ہے۔

اس نے بادشاہ اکبر سے کہا کہ مجھے کئی زبانوں پر عبور ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ میری مادری زبان کون سی ہے۔ دربار میں ایسے لوگ موجود تھے جنہیں ایک سے زائد زبانیں آتی تھیں۔ ان میں بیربل بھی شامل تھا۔ سب نے مختلف زبانوں میں بات کی لیکن کوئی جواب تک نہیں پہنچ سکا۔

بادشاہ یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ دربار برخاست ہونے میں کچھ دیر تھی۔

بیربل نے بادشاہ سے کہا، جناب عالی! جواب تک پہنچنے کے لئے مجھے ایک دن کا وقت چاہئے۔

دربار اگلے روز تک کے لئے برخاست ہوا اور ماہرِ لسانیات کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔

آدھی رات گزرنے کے بعد بیربل ملازم کے ساتھ مہمانوں کے لئے مخصوص آرام گاہ کی طرف گیا۔ ملازم سے کہا، تھوڑی دیر بعد مہمان پر ٹھنڈا پانی ڈال کر بھاگ جانا۔ یہ کہہ کر بیربل دوسرے کمرے میں بیٹھ گیا۔ جیسے ہی ملازم نے ٹھنڈا پانی پھینکا — مہمان ہڑبڑا کر اٹھا اور غصے میں جو منہ میں آیا بولتا چلا گیا۔ بیربل کو مہمان کے شور مچانے کی آواز آئی تو چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔

اگلے روز دربار لگا تو بیربل نے کہا، عالم پناہ! اس شخص کی مادری زبان گجراتی ہے۔

ماہرِ لسانیات نے بے یقینی سے بیربل کو دیکھا اور تسلیم کیا کہ وہ درست کہتا ہے۔ اس نے کہا، جاننا چاہتا ہوں کہ بیربل درست جواب تک کیسے پہنچا۔

بادشاہ نے کہا، ہم بھی جاننا چاہتے ہیں۔

بیربل نے کہا، عالم پناہ! بندہ چاہے کتنی زبانیں سیکھ لے، جب وہ تکلیف میں ہوتا ہے یا کسی چیز سے شدید متاثر ہوتا ہے، اس وقت جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں وہ اس زبان میں ہوتے ہیں جو اس نے سب سے پہلے سیکھی یعنی مادری زبان۔

بیربل مہمان کی طرف متوجہ ہوا — معزز مہمان سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ رات کو میرے کہنے پر ملازم نے آپ پر پانی پھینکا تھا۔ مقصد یہی جاننا تھا کہ آپ پریشانی میں کس زبان میں بات کرتے ہیں۔ آپ نے ملازم کو گجراتی میں ڈانٹا سو میں نے اندازہ لگایا کہ یہی آپ کی مادری زبان ہے۔ لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ آپ اپنے فن میں باکمال ہیں اور زبانوں پر عبور قابلِ ستائش ہے۔

بادشاہ بیربل کے جواب سے خوش ہوا اور مہمان کے علاوہ بیربل کو بھی انعام دیا۔

بچے کو زبان اور عادتیں ماحول سے منتقل ہوتی ہیں۔ پہلی زبان کا نقش گہرا ہوتا ہے اور اثرات تمام عمر قائم رہتے ہیں۔

جن بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہے، وہ چیزوں کو بہتر طریقہ سے سمجھتے ہیں۔ اگر زبان پر گرفت نہ ہو تو لکھنے، پڑھنے اور سوچنے میں روانی نہیں ہوتی۔ بندہ بات صحیح طریقے سے سمجھ سکتا ہے نہ اپنی بات سمجھا سکتا ہے۔

پیارے بچو! دنیا میں ترقی کے لئے مادی زبان میں علم حاصل کرنا ضروری ہے لیکن ایک زبان اور ہے جسے روحانی زبان کہتے ہیں۔ یہ وہ زبان ہے جو اللہ نے ہمیں سب سے پہلے سکھائی۔ یہ ہماری اصل زبان ہے۔ اسی کے ذریعے ہم اپنے علاوہ دوسری مخلوقات کے جذبات کو سمجھتے ہیں۔

جو بچے روحانی زبان سیکھ لیتے ہیں، وہ دنیا کی تمام زبانیں سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے بچوں کے لئے علم حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک اور زبان ہے جس کو سیکھنے کے لئے دنیاوی قاعدے اور ضابطے نہیں ہیں، اس کا کوئی بغدادی قاعدہ نہیں ہے۔ پیارے دوست بچو! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سی زبان ہے؟

جس کو انگریزی زبان کے علاوہ دوسری کوئی زبان نہیں آتی، وہ جب انگریزی بولتے ہیں تو ایسے خواتین و حضرات ہیں جو ترجمہ معلوم ہوئے بغیر زبان سمجھ لیتے ہیں۔ بتایئے کیسے —؟

خواب تعبیر اور مشورہ

لحاف گدّے

—، میر پور خاص۔ عمارت نظر آئی جس کی چھت بڑی ہے مگر کریدنے سے اس میں سوراخ ہوسکتا ہے۔ وہاں ایک اللہ کے دوست اور کافی لوگ موجود ہیں۔ خیال آیا کہ عرس میں استعمال ہونے والے لحاف گدّوں کو دھوپ دینے کے لئے اس چھت پر رکھتے ہیں۔ جب لوگ چلے گئے تو بہت ڈھونڈنے پر بھی میرے جوتے نہیں ملے۔ peach رنگ کی چھپکلی نظر آئی۔ پھر دیکھا کہ ایک عورت مجھے پریشان کر رہی ہے جس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے اور اتنا زہر ہے کہ اس کی آنکھوں سے قطروں کی صورت میں ٹپک رہا ہے۔ اس عورت سے بچنے کے لئے تیز تیز چل رہی ہوں۔

تعبیر: ذہنی یکسوئی نہیں ہے۔ ہمہ وقت ادھر ادھر کے زائد خیالات کا ذہن میں ہجوم رہتا ہے۔ خیالات ہمہ وقت آتے ہیں اور یہ دنیاوی زندگی کی علامت ہیں۔ اگر خیالات میں وہم اور الوژن ہو اور مقصد دنیاوی معاملات ہوں تو ایسے خواب کی تعبیر اچھی نہیں ہوتی۔ اللہ کو یاد کرنا، ذہنی یکسوئی کے ساتھ ضروری ہے جو آپ کے اندر نہیں ہے۔ کثرت سے یا حی یا قیوم پڑھیں، نماز کی پابندی کریں اور قرآن کریم جتنا آسانی سے پڑھ سکیں ترجمے کے ساتھ پڑھیں۔ ادھر ادھر کی باتوں سے اجتناب کریں۔ غیبت کے قریب نہ جائیں۔

خاندانی معاملات

پارس۔ کراچی۔ سامنے ایک اللہ والے کا گھر ہے۔ سوتیلی پھوپھیوں میں سے دو اپنی بیٹیوں کے ساتھ آ کر بزرگ کے بارے میں معلوم کرتی ہیں۔ ان کو بزرگ کی خدمت میں بھیجنے کے بعد دیکھا کہ میری کزن اور والدہ بزرگ سے اونچی آواز میں بات کر رہی ہیں اور بزرگ مخصوص دھیمے انداز میں جواب دے رہے ہیں۔ پھر دیکھا کہ ایک کلاس میں بزرگ ہمارے استاد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ تمام طالب علم اپنے ذہن میں آنے والے خیالات لکھیں۔ سب لکھ رہے ہیں، میں کسی سے کاغذ اور قلم مانگ کر لکھنا چاہتی ہوں مگر لکھ نہیں پاتی۔ بزرگ مجھ سے فرماتے ہیں کہ بعد میں پوچھ لینا۔ میں نے قلم رکھ دیا۔ بزرگ نے دو چیزیں کھانے سے منع کیں۔ خواب میں امی کو کچن میں جا کر ممنوع اشیا کے بارے میں بتایا مگر جب آنکھ کھلی تو ان اشیا کے نام یاد نہیں آئے۔ دیکھا کہ خوش گوار ماحول میں بزرگ

ہمارے گھر کے ڈرائنگ روم میں میرے دو کزنز سے گفتگو فرمارہے ہیں اور میری والدہ بھی موجود ہیں۔کزنز نے اپنے مزاج کے بارے میں بزرگ کو بتایا۔پھر میں کمرے میں جا کر امی سے اپنے شوہر، بھائی اور والد کے بارے میں پوچھتی ہوں۔ والدہ فرماتی ہیں کہ وہ ان تینوں کو ایئر پورٹ چھوڑ کر آئی ہیں۔اس کے بعد دیکھا کہ گاؤں والے گھر کے صحن میں والدہ، خالہ اور ان کی بیٹیوں کے ساتھ موجود ہوں۔خالہ کہتی ہیں کہ تم نے بیٹی کی شادی تو کردی مگر یہ میرے بیٹے کے نصیب میں ہے اور کزنز ہنسنے لگیں۔

تعبیر: خواب کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ رویائے صادقہ ۲۔ رویائے کاذبہ

رویائے صادقہ کے علاوہ خواب بیماری کی علامت ہے اور الجھی ہوئی تصویروں سے متعلق ہے۔کسی شے کی طلب ہو اور وہ طلب بہت زیادہ ہو جائے تو خواب میں طلب پوری ہو جاتی ہے اور نہیں بھی ہوتی۔

خواب میں خاندانی معاملات میں الجھن ، ایفائے عہد، اختلاف رائے ، جائیداد وغیرہ کی تمثیلات ہیں۔ خواب دیکھنے والے کے ذہن میں خیالات کا ہجوم رہتا ہے اور اس میں پرانے واقعات کی تکرار ہے۔

دورنگی خوب نئیں یک رنگ ہو جا

سدرہ طلحہ،آئر لینڈ۔ایک بڑے ہال کے برابر کمرے میں لوگوں کے گروپ بنے ہوئے ہیں۔ میں ایک گروپ میں جا کر بیٹھ جاتی ہوں۔ وہاں موجود ایک بزرگ جو اس گروپ کے سربراہ ہیں ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں۔وہاں کچھ لڑکیاں ہیں جن میں دو لڑکیوں کی ناک ایک دوسرے کے ساتھ سونے کی زنجیروں سے بندھی ہے۔یہ دیکھ کر ہال میں گئی۔وہاں بھی لوگ گروپ بنائے مذاکرہ کررہے ہیں۔

ایک گروپ میں جو صاحب لوگوں کو سمجھا رہے ہیں، میں انہیں جانتی ہوں۔ ان صاحب کے سامنے کچھ چیزیں زمین پر رکھی ہیں۔ مجھے پیشانی پر دباؤ محسوس ہوا، اسی وقت وہ صاحب سامنے رکھی اشیا اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہیں۔ ہال کے آخری گروپ میں جا کر بیٹھی تو وہاں ایک صاحب کسی ضعیف خاتون کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کیا میں انہیں جانتی ہوں۔وہ خاتون کی آنکھوں کے بارے میں بھی بتاتے ہیں جو خراب ہوگئی ہیں۔میں ضعیف خاتون کو غور سے دیکھتی ہوں تو ان کا چہرہ نورانی اور آنکھیں ٹھیک لگتی ہیں۔ محسوس ہوا کہ وہ بزرگ شخصیت ہیں۔

میری توجہ دو لڑکیوں کی طرف گئی جو ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ان میں سے ایک لڑکی دروازے کی طرف رخ کر کے سجدے میں چلی گئی۔ اس کے پاؤں مرغی کے پنجوں جیسے تھے۔اگلے لمحے وہ پہلے کی طرح پُرسکون نظر آئی ، پاؤں بھی صحیح تھے۔اس کے بعد وہاں ذکر اور قرآن کی تلاوت شروع ہوئی۔

تعبیر: ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ذہن عطا فرمایا ہے۔ اس ذہن کو ریڈیو یا ٹی وی سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

ہمہ وقت چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ریڈیو اور ٹی وی پر پروگرام نشر ہو رہے ہیں۔ پروگرام میں ہر طرح کے حالات و واقعات بصورت تصویر ایک فیتے پر ترتیب کے ساتھ گردش کر رہے ہیں۔

آدمی کسی وقت بھی ذہنی طور پر خالی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ریڈیو کا سوئچ کھولیں یا نہ کھولیں، پروگرام تواتر کے ساتھ نشر ہو رہے ہیں۔

قرآن کریم کے مطابق مخلوق دو رخوں پر زندہ ہے۔ ایک رخ اچھا ہے جو پیغمبران کرام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن ہے۔ دوسرے رخ میں اس کے برخلاف ایسی فلم ہے جو قادر مطلق اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

آپ کا ذہن منتشر ہے۔ ہمہ وقت کسی نہ کسی خیال میں الجھا یا مطمئن رہتا ہے۔ جو خواب دیکھا ہے وہ آپ کے ذہن کی کارکردگی کی تصویر ہے۔ اگر ذہن منتشر ہو تو بیک وقت خیالات کے جال میں اس طرح پھنسا رہتا ہے کہ قوت فیصلہ زیادہ تر صحیح نہیں ہوتی۔

خواب اس بات کی نشان دہی ہے کہ آپ دو ذہنی خیالات میں الجھی ہوئی رہتی ہیں۔ خواب میں دیکھی ہوئی مختلف تصاویر گومگو رہنے کی علامت ہے۔ دنیا کا غلبہ زیادہ رہتا ہے۔ دنیا میں پیسہ، سونا، چاندی، آسائش اور زیبائش اور سب سے بنیادی غلطی وقت ضائع کرنا ہے۔ بزرگوں کو دیکھنا اور تصویریں بدلی ہوئی نظر آنا، سونے چاندی کا خیال یہ سب وہ فریب نظر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ دو ذہنی سوچ میں وقت صرف کرتی ہیں۔ یہی آپ کے خواب کی تعبیر ہے۔ یہ شعر پڑھئے۔

دو رنگی خوب نئیں یک رنگ ہو جا
سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا

چاند گرہن

سیدہ فرح، بہاولپور۔ رات کو سب گھر والے صحن میں کھڑے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ چاند اتنا بڑا تھا جیسے گھر کے قریب آ گیا ہو۔ پھر اس پر کالا اور لال رنگ غالب ہونے لگا جیسے گرہن لگ رہا ہے۔ ہم لوگوں نے پہلی بار چاند گرہن دیکھا اس لئے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دکھا رہے ہیں۔ کافی دیر بعد یہ سلسلہ ختم ہوا۔ پھر چاند آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف جانے لگا اور تھوڑی دور بعد جیسے عام حالات میں آسمان پر نظر آتا ہے، ویسا نظر آیا۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ یہاں جو کچھ ہے وہ اچھائی کا پہلو ہو یا برائی کا، ازل تا ابد ریکارڈ (فلم) ہے۔

ہم جو کچھ دیکھتے ہیں، اس ریکارڈ سے باہر ایک ہستی کے علاوہ کوئی شے نہیں ہے اس لئے ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ آسمان ستاروں کی بارات ہے۔ اگر ہم آنکھ بند کر لیں تو ہمیں ستارے نظر نہیں آتے۔ آنکھ بند ہونے کا مطلب آنکھ میں ایک گول دائرہ ہے۔ اس گول دائرے میں عکس منتقل ہوا۔ جب ہم آنکھیں بند کرتے

ہیں تو ایک کیمرے کا شیشہ چھوٹا، اس میں ایک سوراخ ہے اور وہ سوراخ ایسی چمک دار شے سے ڈھکا ہوا ہے کہ اس کے اندر نظر نہیں آتا۔ لیکن جب ہم آنکھوں میں رنگ لگاتے اور پپوٹے کھولتے بند کرتے ہیں تو ہمیں وہ تل نظر آتا ہے اور اس تل میں ہمیں آسمان، پرندے اور اللہ کی دوسری تخلیق نظر آتی ہے۔

اب ضرورت پیش آتی ہے کہ جو چیزیں موجود ہیں ان کا علم ہونا ضروری ہے۔ گھر میں لوگ چاند، سورج، ستارے، آسمان وغیرہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ بچے یہ گفتگو سنتے ہیں اور سننے کے بعد اندر کی حس انہیں متوجہ کرتی ہے کہ آنکھیں کھول کر دیکھو۔ جب پلک جھپکتی ہے تو خود بچے کی تصویر اور جو کچھ ماحول میں ہے وہ سارے مناظر اس چھوٹے سے تل میں عکس ریز ہوتے ہیں یعنی اس میں نظر آتے ہیں۔ دماغ کے اندر مختلف شعبوں سے گزر کر ہمیں نظر آتا ہے۔ اگر اس صورت کے بارے میں پہلے سے علم نہ ہو تو کچھ نظر نہیں آتا — بچہ، بڑا، کم عقل، عقل مند کوئی فرد یہ نہیں کہتا کہ میں اسے پہچانتا ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جب تل میں عکس بنے تو بتانے والا بتائے کہ یہ فلاں چیز ہے۔

اس تمہید کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایسی مشینری اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہے جس میں آنکھ کے تل کے ذریعے عکس منتقل ہوتا ہے اور ذہن اس عکس کو قبول کر کے آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ لیکن اگر اس چیز کے بارے میں معلومات نہ ہوں تو پھر یہ بات قابل تذکرہ نہیں ہے کہ یہ چیز کیا ہے۔ یہ ایک مسلسل میکانزم ہے جو زندہ آدمی کے دماغ میں جاری ہے یعنی ایک چھوٹا سا تل عکس کو قبول کرتا ہے اور معنی پہناتا ہے۔ معنی پہنانا اس وقت ممکن ہے جب ہمیں وہ نظر آئے۔

انکشاف ہوتا ہے کہ آپ نے چاند گرہن کے بارے میں کچھ سنا ہے اور وہ عکس خواب میں آنکھ کے سامنے آگیا۔

مرجاؤ مرنے سے پہلے

محمد سلیم، کراچی۔ اوپر چڑھ رہا ہوں۔ آخری منزل پر بزرگ تشریف فرما ہیں۔ چھت پر ٹنکی سے پانی بہہ رہا ہے۔ بزرگ پانی بہتا دیکھ کر فرماتے ہیں، ماشاء اللہ اور پانی بند ہونے کا اشارہ کرتے ہیں۔ باہر موسلا دھار بارش ہے۔ سوچتا ہوں باہر بھی پانی اور اندر بھی، اور بزرگ فرما رہے ہیں ماشاءاللہ۔

مجھے بول کی حاجت پیش آتی ہے، سوچتا ہوں کہ کہاں جاؤں۔ ایک جگہ ملتی ہے۔ وہاں گرنے سے زخمی ہوا اور دیکھا کہ میرا آخری وقت ہے۔ سامنے بزرگ، دائیں طرف اہلیہ اور پیچھے ملک الموت ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں عالمِ اعراف کا کیا ہوگا؟ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ''مرجاؤ مرنے سے پہلے'' کی تعلیم میرے اندر داخل کر دی ہے۔ وہ زیرِ لب مسکراتے ہیں جیسے جواب سے مطمئن ہیں۔

میں ان کی گود میں سر رکھ کر خوب روتا ہوں اور سوچتا

ہوں کہ آخری وقت ہے یا حی یا قیوم کے ورد سے سکون اوراطمینان کے ساتھ موت آئے گی۔

تعبیر: الحمد للہ خواب بہت مبارک ہے ۔ بیعت کا سلسلہ ایک درس گاہ ہے۔ جس مدرسے میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس کی بہت ساری کلاسیں ہیں ۔ آپ نے خواب میں پہلی کلاس کا منظر دیکھا ہے۔ حضور پاکؐ کا ارشاد ہے، ''مرجاؤ مرنے سے پہلے۔''

منشا یہ ہے کہ اس زندگی میں مرنے سے پہلے مرنے کی حقیقت سے آشنا ہو جاؤ۔ مرنے کے معنی خاکستر ہوجانا نہیں ہے۔ مرنے کا مطلب زندگی میں اضافہ ہے، اور زندگی مادی نہیں ہے ۔ مادی زندگی اور اس کے تمام وسائل عارضی ہیں ۔ یوں کہنا چاہئے دنیا کی ہر شے مٹی سے تخلیق ہوئی ہے، یہ روپ بہروپ ہے ۔ کئی سو سال یا کئی ہزار سال پہلے ہمارے بزرگوں نے لوکی کا سالن کھایا تھا۔ آج ہم بھی لوکی کا سالن کھاتے ہیں۔ ہزاروں سال پہلے چاند، سورج اور ستارے پرکھوں نے دیکھے ہیں ۔ آج ہم بھی سورج ستارے دیکھ رہے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی اسی طرح دیکھیں گی جس طرح ہم چاند کو چاند، سورج کو سورج اور ستاروں کو ستارے دیکھتے ہیں۔

الحمد للہ آپ کے ذہن میں ایک روزن کھلا ۔ اس روزن میں آپ کو اس دنیا کی زندگی کے بعد دوسری

ماہنامہ قلندر شعور جولائی 2020ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:............................ والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ: ....

ازدواجی حیثیت:..................... وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ ....

نیند کیسی آتی ہے:................. بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):................... تاریخ پیدائش: ....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟............................ فون نمبر ....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

دنیا کی زندگی دکھائی گئی ۔ دنیا کب بنی ، کب تک رہے گی ، یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کا تعلق اللہ کے ارادے سے ہے۔آج تک کسی دانش ور نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ دنیا کتنی پرانی ہے ۔ پانچ ہزار سال پہلے کی تاریخ جو بھی تھی آج دہرائی جارہی ہے۔ چاند، سورج، ستارے، آسمان، پہاڑ، ندی، نالے، نہر، دریا اور سمندر سب ''کُن'' کے بعد کی مخلوق ہیں۔ دنیا میں آنے سے پہلے جہاں بھی تھے وہ بھی ایک جگہ ہے اور یہاں سے جانے کے بعد جس جگہ رہیں گے وہ بھی ایک جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے ۔خواب مبارک ہے۔ اس میں آپ کی ذہنی صلاحیتوں کا ذخیرہ ہے۔کوشش شرط ہے، کام یابی بطفیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام — اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔آمین۔

م۔ص، کراچی ۔ **تعبیر:** آپ کا ذہن ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہتا ہے اور سارے خیالات یکجا ہو کر فلم بن گئے ہیں ۔ مرشد کے لئے جو روحانی مرکزیت ہونی چاہئے اس میں حقوق کی ادائیگی نہیں ہے۔ کثرت سے یا حی یا قیوم پڑھیں اور ستّر (70) بار روز استغفار پڑھیں۔

خواب لاشعور کی راہ نمائی ہے

قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب جہاں تاب دہلی شہر کو منور کر رہا ہے۔ پھر قاضی صاحبؒ کے گھر میں وارد ہو کر کہتا ہے کہ میں تمہارے گھر میں ٹھہروں گا۔نور باطن سے خواب کی تعبیر یہ سمجھ میں آئی کہ آفتاب سے مراد ولی کامل ہے جو جلد یا بدیر دہلی تشریف لائیں گے اور میرے گھر میں قیام کریں گے۔خواب کو دو روز گزرے تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ دہلی تشریف لائے اور ایک عقیدت مند کے گھر پر ٹھہرے جو پیشے کے اعتبار سے نانبائی تھے۔اس دوران قاضی حمید الدینؒ نے ایک اور خواب دیکھا کہ ایک بزرگ ان سے فرماتے ہیں، میرا دوست قطب الدین اس شہر میں آیا ہے اور فلاں نانبائی کے گھر قیام ہے۔ جلدی جاؤ اور عزت و احترام سے اس کو اپنے گھر لے آؤ۔ اس کا قیام تمہارے گھر میں ہوگا۔ اگلے روز قاضی حمید الدین ناگوریؒ خواب میں ملنے والی راہ نمائی کی روشنی میں بتائے ہوئے مقام پر پہنچے۔معلوم ہوا کہ جس بزرگ کی دہلی آمد کی خبر دی گئی تھی وہ حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ ہیں۔انہیں عزت و احترام سے اپنے گھر لے آئے۔

تجمل
Tajammal
تجمل ٹریولز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
تجمل السفریات (الخاصہ) المحدودہ
E ویزہ +
ایئر لائن ٹکٹ
ہوٹل اینڈ
ٹرانسپورٹ
UMRAH
عمرہ سروس
بجٹ پیکج
اکانومی پیکج
5
ہوٹل کی
بکنگ
THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
سعودی قونصلیٹ کراچی سے منظور شدہ
پروٹیکٹر کی سہولت کے ساتھ
ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
شرکۃ ٹی ایچ اے (THA) للتطور الامور تتعلق بالعمال المرسلین الا جانب
جاپان، یو اے ای، قطر، ملائشیا اور سعودی عرب
کے ویزا جات کی تیز ترین پروسسنگ کیلئے تشریف لائیں
Labour Visa
Skilled Visa
Un Skilled Visa
Work Permit
thaoep1@gmail.com
Office # 54, Gate # 5, Iqbal Stadium, Faisalabad. Landline: +92 41 2641904
tajammaltravels1@gmail.com
+92 300 6654 211
+92 321 6680 266
+92 302 1165 300
+92 302 1165 400
رانا تجمل حسین

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +92582242587

Email:sangamhotel@hotmail.com

"Yes. When you focus on moving towards beloved, you become unaware of the ordeals of life. But when you move away from beloved, the same thorn and stone that pricked you brings intense pain. In the same way, when you move towards God, you are in your soul or higher consciousness and when you are moving into the material life, you are moving through your lower consciousness. A spiritual master guides you back to God." The old man had read his mind and answered before he could ask.

The old wise man continued, "So what did you observe?"

He replied, "I did not like being away from you and could not wait to get back. In just about two days with you, I have become uncomfortable with the noise of the external world."

"If you learn the art of shutting the windows and doors through meditation, you will create a noise free environment for your soul at all times. Once you do this, where you are will not matter; you will remain unperturbed by the external surroundings and its happenings. Now to answer your question on why most people doubt what they know, I have demonstrated it to you. Like a phone connected to the network, we creatures are always connected to our source, our Creator. We can refer to this network connection as the pattern of thinking that pleases Him. The very same pattern of thinking that the Prophets of God (PBUT) brought down to remind mankind how far they are from it, and showed them the way to God.''

"Man moves further away from God by placing layers of information, experiences, interpretations, opinions, beliefs, memories and more between them and God. This alters the original pattern of thinking. The further you move away from God, the weaker your network is. The choices you make will render you close or distant from the source." The old man paused.

(Episode 5)

One + One = One

Maulana Rumi (RA) says, "With this example, understand the secret path of one heart to another – If two lamps are lit up, their light is amalgamated in the environment despite the fact that both lamps are separate. One would not be able to differentiate between the light, whether the light is from one lamp or the other. In a similar way, the bodies of believers are different, however, when they sit in a gathering, the Divine light of their hearts become one in that environment."

question. He was sure he had not, but when he touched his pockets he found his phone. By this point, enough miraculous events had taken place around him to know that anything was possible around the master.

He said, “Yes. I have my phone.”

“Good. Check for the network,” the old man instructed.

“It is strong,” he replied, not sure where the conversation was heading.

“Okay then. Keep walking through the forest until you find a spot where the network is weakest. Once you’ve found it, come back here. I will be waiting for you.” Saying this, the old man closed his eyes.

He was perplexed but complied with his master’s orders. The way forward in the forest was dark. The moonlight shone down on some parts and made the path barely visible but as his eyes grew accustomed to the darkness, his visibility improved, and he could maneuver easily through the trees. Walking a long way through the dense forest, he saw himself on the highway. There were a few food joints around a petrol station. Most travelers broke their journey there to rest and refill their vehicles with gasoline. The hustle and bustle seemed unbearable to him, the quiet of the forest was so enticing that the noise of the world began to hurt his ears. For the first time, he felt displaced in the environment he was so accustomed to for all these years.

He looked at the signal of the phone; it was getting weaker. It was surprising, the network should have weakened in the forest and grown stronger in the city he thought. As he moved amidst the crowd and reached what looked like the centre of the food court, the network signaled at its weakest and his phone beeped as if in a moan.

He was so happy that he could now return to the forest and to his master, that he picked up his pace and occasionally even sprinted to get back faster. When he stood before the old wise man again, he felt a sense of relief. What was happening? He could not wait to know.

“You have come! It looks like the way back took you less time?” The old man chuckled.

He laughed, “Yes. I missed you.”

“Sit down my son! Your hands and legs are bruised, and your toe is bleeding. Wipe your wounds with the leaves of that tree. It is medicated – you will feel relief.” The old man had love and concern in his voice as he pointed at the tree.

He had not realised he was hurt. The thoughts of being in union with his master one more time had made him forget all pain. However, he still had memory of every stone that pricked him, and every twig that tripped him when he was moving away from his master.

when we think that we are consuming food to grow bigger and stronger, we are actually inching our way towards death? Each meal we eat is a cue that our body is moving towards decomposition rather than permanence. When we assume we are moving forward in life, we are in fact inching towards our expiry. Each day as the soul ascends; the body is descending into the soil to become dust. Under every tree of life are carcasses of many creatures that become topsoil and nourishment for its roots. Every life is sprouting out of death. You experienced fragrance as your focus was on the soul energy in the tree that was moving towards God. You experienced the stench when you focused on earth and the physical body for it is moving towards decomposition. The more you focus on your soul, the more fragrant your life will be. The more you focus on the material existence, the more you will experience stench in your life."

He was reeling under the profoundness of the information he was absorbing from the wise man. He looked at wise man, urging him to speak more. His thirst for knowledge was growing rather than being quenched.

The wise man patted his back with a knowing smile and continued, "Look up at the tree and feel the fragrance that it emits and now look down at the rotting cadavers and feel the stench. You will realise that until the agency or soul within a creature is within the body of dust, it will remain fragrant and move towards God. And when the soul exits, the body falls down to rot and begins to emit stench. The body was never meant to be close to God. It is only a garment that wraps the soul for its existence on this planet. When our tenure ends, we drop the garment and move upwards to the next zone, closer to our Creator." The old man moved away from the tree and lay down on a patch of soft grass from where amidst the tree heads, one could view the shimmering, star-studded sky.

He walked towards the wise man and hesitantly spoke, "You did not answer me earlier… You are my master, are you not?"

The old man kept his eyes on the stars and said, "What does your heart say?"

"My heart knows you are my master," he replied, surprising himself with the resoluteness he said it with.

"Why ask then? If your heart knows, I have already answered and you have acknowledged. The heart never falsifies." The old man replied.

He was suddenly moved to tears – he was finally found! His heart racing, he asked, "Why do I doubt what I know?"

The old man, still gazing at the stars, said, "Have you brought your phone with you?"

He was taken aback by the

Circle of Life

He walked towards the wise man and hesitantly spoke, "You did not answer me earlier... You are my master, are you not?" The old man kept his eyes on the stars and said, "What does your heart say?"

"Yes, the path to self-realisation begins with experiencing the reality of death before you die. Did you notice that when you focused on the tree you failed to observe the corpses around it? And when your focus was on the dead, you experienced the stench, the disgust and shuddered, forgetting all about the splendour of the tree full of life. In the very instance you changed your focus, the fragrance in the air was overpowered by stench. Everything in this world is dual, life and death, attraction and repulsion, good and bad. Do you notice that everything that is alive moves upwards? And everything that has fallen and dead moves downwards? Why?" The old, wise man asked.

He thought for a while and shook his head in the negative; he did not know the answer. Seeing death at close quarters had shaken him.

"Indeed, to God we belong, and to Him we will return," the old man said in such a loud voice that it began to echo through the entire forest, making it seem like every creature around was repeating it after him in unison. "Everything in this universe is in perfect balance. Right at the edge of day is night, ready to take over and at the edge of night, dawn is ready to break. At the end of life is death and at the end of death is life ready to sprout out." The old man paused, took a deep breath and said, "This tree despite being a hundred thousand years old, and knows that it is not here forever, and even though the earth grips on to its roots tight with the help of the force of gravity, from the very first day of its birthing out of the encasement of a seed, it has been breaking free from the layers of soil and growing, rising upwards towards the skies and heavens above. In fact, this upward movement is found in every creature. The mountains raise themselves above the ground from soil and heaps of rock, animals grow taller, birds perch up from cracked eggs, the levels of water in the sea rise, a crawling child stands up – there is nothing that wishes to remain entrapped in gravity. The soul within each of these creatures is constantly moving towards their Lord."

He was silent; the new perspectives were breaking his old ways of thinking. He was experiencing a blank space in his head.

"Every creature that is birthed in the universe is constantly ascending and descending at the same time. When man thinks he is eating food to grow, each morsel of food he eats is actually eating him up and taking him towards his death. Do you notice that

this energy to flow.

Another example we can consider is cooking food. It is not food but rather energy that is digested by the stomach. The fulfilment and satisfaction that we experience after eating a good meal is the point where this energy is transferred into positivity.

It is a very simple process. However, once you grasp it, you begin to realise the positive sides of life, which are very important during situations such as these that are full of chaos and panic.

It is just energy. You can either opt to convert this energy into destructive measures and lead your mind to misery, or you can utilise this physical medium – your body – constructively.

To conclude, each year 250-500 thousand people die due to influenza; whereas pandemics have been known to register a lesser death rate. It is important to quote that the number of deceased amounted to millions during the outbreak of the Spanish flu (1918). However, this was due to the fact that the world was not well equipped with the progress and innovation in biology and pathology that we have today.

Another major factor contributing to the panic is the advancement of social media that seems to constantly exaggerate the ongoing reality and encourages the flare of rumours that saturate the true news that could potentially benefit the general public. Moreover, in my opinion, there are very few of us who verify facts presented on social media instead of being immediately swayed by the illusory picture presented before them.

Do a favour to yourself. Do not travel even if you are asymptomatic. As long as you are a living body, you are able to feed and shelter the virus within you and become one amongst those who are infected. Do not be in a hurry to expend your energy and save it to fight future mishaps. This is not about the pandemic. This is not about panic. This is just about energy. Be the best medium that allows energy to flow graciously through you.

Echolocation is a process for identifying objects that are distant and beyond visibility with the help of sound waves, which are reflected back to a source by an object. There are animals and mammals who use echolocation for navigation and hunting. Species of bats, and cetaceans that have teeth have the ability to echolocate. This include toothed whales, dolphins and porpoises. Their sound waves go through the water, while the sound waves of the bats go through the air. Echolocation helps them to ‘see’ and determine the distance, size, shape and density of an object. Man-made radars function in the same way.

smartphone applications play a key role in advising those who were going out or those who were travelling, to avoid movement in affected areas. QR codes are marked at various places, transportations and metros. Each individual is required to scan that code from their smartphone, after which they immediately receive information on if it is 'clear to go', or if there are some safety measures that should be taken.

The platform can inform the user, based on their location and recent movements whether within the last 2 weeks (the assumed incubation period of COVID-19), if they have worked together, shared a classroom, lived in the same building, or travelled by train or plane with a person confirmed or suspected to have contracted the virus. 'Close contact detector' can be accessed via three of the most popular mobile social and payment apps in China, namely Alipay, WeChat and QQ.

Amidst this chaos and panic, there were rumours about the fatality of the disease. This led emigrants to find ways to return to their home countries, which became the cause for an emerging pandemic.

I however, lived these days the best I could. First, being a medical student, I believe I was fortunate enough to be able to observe and recognise an epidemic so closely. This experience from close quarters became the sources of motivation for me to live through it

> Another major factor contributing to the panic is the advancement of social media that seems to constantly exaggerate the ongoing reality and encourages the flare of rumours that saturate the true news that could potentially benefit the general public.

with confidence. Additionally, being a medical student studying abroad, I began to pay detailed attention to the little things in my daily life that I would not have paid attention to otherwise.

Let me introduce you to a basic formula I have come up with that gets me through my toughest times. Let us consider the evolution of television screens – they evolved from the CRT's to the present-day OLED and UHD televisions. The better the quality of the screen, the more you are able to comprehend the objects that are displayed upon it. In other words, you are able to notice more details.

We all know how energy works - it flows! We are all just another physical medium that maintains this flow of energy.

We engage ourselves in cooking, cleaning, watching something informative, organising our plans and if one is a student of a high yield major, they are engaged in studying ahead of time. Initiating positivity in the completion of everyday chores is the key to being the best medium in allowing

still on for patient zero in China, the first case of COVID-19 was traced in November, 2019. Amidst this, the outbreak emerged.

It is important to note why this virus is so deadly. The virus affects the lungs even before the symptoms begin to show, during its incubation period of 14 days in the body.

It becomes very difficult to contain the virus as it shows no symptoms in its early stages and by the time it is diagnosed, the lung tissues are already severely affected. On a daily basis we heard of the alarming increase in the number of infected and suspected cases, which also included our close contacts.

As of 23rd January 2020, Wuhan began preparing for the lockdown. And by the beginning of February until the middle of March, the entirety of China – with a population of over 1.4 billion – was under complete lockdown. All businesses and service providers, both in the public and private sectors, had shut down. This included transportation, which is an absolute essential in the daily life of an average individual.

There was only one hyperstore, which was about 10 km away and it remained operational. People were able to stock up on food and supplies during the crisis. For the international students, universities provided liberal quantities of vegetables, completely free of charge and students were permitted to be outside the campus for only two hours a day.

Regardless of this frenzy and sparsity, the government still regulated what it could to provide an abundant amount of protective masks and staple food for people. Other than food supply trucks or ambulances, one would literally see no other vehicular movement on the roads. Each time we entered a building, be it our dormitory or the grocery store, our body temperatures were checked. Thermal sensors such as those you see at the airport terminals were installed in many areas.

Real classrooms shifted to virtual ones. Classes ensued through the latency of internet networking. This became a problem as many of the students on campus had returned to their home countries, and classes were being conducted across international broadband connections. Due to the network instabilities, the virtual classes were conducted in fragments.

All indoor public places that were capable of holding large numbers of people were converted into makeshift hospitals in order to separate those infected by COVID-19 from the regular patients in the hospital. A new hospital was constructed within a span of ten days to support the mission.

China's Coronavirus 'Close Contact Detector'

Corona proximity tracking

The Energy Flows

Do not travel even if you are asymptomatic. As long as you are a living body, you are able to feed and shelter the virus within you and become one amongst those who are infected.

This article is an epitome of my absolute insight on the onset and rise of the viral outbreak in China. I was in the midst of pursuing clinical medicine education in the capital city of a province in central China, neighbouring Wuhan, the territory where the outbreak sprung up.

It was the first week of January and I had just finished my fifth semester's final examinations at Zhengzhou University, China. Let me take you through a story that explains how expectations are nothing more than premeditated dread. It so happened that I was able to meet my expectations in two out of three of my examinations. As I penned down my last exam, I was not focusing on the budding sense of emptiness within me and was ignoring the rising emotions.

I handed the answer paper to the invigilator and set off towards my dormitory, plugging in my earphones to listen to music as I usually do. This is when I began to experience something which we generally call frustration, heartache, or a myriad of other names for destructive emotions.

I seemed to be walking, but I knew not where I was headed. My mind was caught in a web of negative thoughts and emotions. About two hours and a half had elapsed when I realised that I had walked far away from my dormitory. Although it was noon time, I had still planned to return to my room and catch up on my sleep that had been distorted during revision. The next morning, I woke up to pyrexia – a 41 degrees Celsius, burning fever. Yes! I was struck with the common flu. The weather can get quite cold where I was staying in January and the temperature at that time had dropped to about negative 8 degrees. I was asked to undergo tests for Influenza A and B due to the high-grade pyrexia. By the grace of God, I recovered shortly after my tests, that is, roughly in nine days.

Getting back to the matter of feeling empty however, I feel that what I felt cannot be referred to as a state of disappointment either, as it was not a surge of negativity, it just felt like there was a huge void within me. I sensed a great loss of energy in my body.

Without diverting our attention from the main topic, let me bring your attention to a few facts. The pandemic was reported first in the province of Wuhan, in the month of January 2020, two months before the outbreak became a global health crisis. While the search is

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

and that the centre point of everything, exists upon the will of God. The invitation from God is that mankind acquaints themselves with their centre point, otherwise known as their soul.

When an acquaintance with the soul is made, the reality of all things, along with their purpose is easily revealed upon them. God wishes for us to realise that our reality stems from His essence and that when that is realised, every expectation that we so blindly chase after will vanish.

I would conclude that energy needs to be used to seek the reality of our centre point. When this has been achieved, the connection made with our Creator will bring us everlasting joy. All doors made by our Creator will be open to us and peace will surround us. Only then will energy work in our favour. The first step is to take our attention away from what we expect, and utilise our time to make changes now before it is too late.

As the beloved Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) once stated,

"Complain not for the good or the bad

Reminisce not that which has passed by

You are gifted a few moments of life

Waste these moments not."

Small Details of Life

There was a group of elderly women who would arrange small gatherings twice in a month to sit together, speak their heart, exchange news and drink tea.

They were fond of searching for diverse varieties of tea, mixing together different tea leaves and creating a new taste. Most of them would go for costly brands, and would take pride in presenting before their guests to entertain them.

When it was the turn of the oldest member to extend hospitality, she served tea that brewed for only 20 minutes. Presented them in her old crockery which was gifted by her mother.

Everyone enjoyed the tea and kept on saying, "We have never had such a tea before. What have you added in it?"

The old woman was beaming with joy, knowing that she has made her guests happy.

She replied, "This tea is drunk by peasants in my village. It is simple, and not hard to make. You just need to add a pinch of love to make it more aromatic and tasty."

Lesson: Dear readers, the best things in life are neither expensive, nor beyond our reach. They are hidden in small details of life.

The holy scriptures say that God rewards those who do not fall short of effort, whether believers or not. The laws of life in the holy scriptures are a perfect source of guidance for us in what actions we should take in order to retain peace.

For instance, *makafat-e-amal* or 'You reap what you sow' is a great example. If you have always mocked others, then one day you too will be mocked. If you are humble and have always served others, the Lord will place respect and kindness into their hearts to serve you.

There have been many eras where laws were made by people to utilise their energy efficiently and effectively; at the same time there were certain laws that caused chaos among people and lead to their downfall.

However, if we study the laws of nature explained in the holy scriptures, we will not find any law to be a cause for loss. An apple tree only bears the fruit of an apple, and the stars and constellations are completely intact. Indeed, many signs have been given to us to ponder upon.

One of the differences between these laws and man-made laws is that the laws of nature never change. Some worldly laws benefit leaders, yet others help society as a whole. The laws are followed until people stop following them and new laws are formed.

Interestingly, when the laws of nature are followed, society flourishes and there is peace, yet when they are completely given up, societies suffer immensely until they crumble.

Many nations who were given more strength, intellect and power were eradicated due to their transgression, disloyalty, arrogance, and enslavement of other nations.

These nations sought their own benefit but forgot about the rights of those who were given less than them. They had enough time and opportunity to change their actions. Failure to do so inscribed them onto the lost pages of history. Reading this history allows lessons to be learned, but due to the eventual ignorance of the people, to this date, no nation has prospered forever.

Time has kept its momentum and the laws of nature have always been constant, whereas the state of society and its self-made laws are constantly changing. Time is a display of power. The time for the ancient Athenians and Spartans has long gone, as has the time for the ancient Egyptians.

Today is the era of scientific development where societies have greatly advanced in technology. Yet there is turmoil in every corner of the planet.

Energy is an unlimited potential and nature is the centre point to which all existences are connected. When looking at the holy scriptures, it is clear that the message for all of humanity is one

attempt to obtain it.

With no certainty of what will happen next, it is clear that we are tested for our patience by God.

We know that peace is with closeness to God and anger takes us in the opposite direction. We all yearn for peace and look for it outside, but it is within us. However, we fail to notice it under the delusions of our vain desires. When we ignore our inner, we weaken our connection with God, and thus forget that God decides every moment of our lives. We are a creation, and a creation has the duty to make the best of all opportunities it is blessed with. The decisions that we make are either in tune with the will of God or contrary to it.

Therefore, no one can ever claim to have made a sensible decision when angered because an angry person is not in tune with God's will.

In fact, I believe the most selfish, spiteful and foolish decisions are made during a fit of rage. Prisons are filled with murderers who were decent members of society, but in a moment of rage, they lost all their senses and did something unforgivable. The guilty prisoner seems to suffer in silence, accepting their condition due to that moment that lost them their humanity.

It is futile to attempt to rationalise anger as anything useful. In one fell swoop, it turns our humanity on its head and releases a monster that can do an unlimited amount of damage. No person in the right frame of mind ever wants to cause another person any harm.

Hence, anger is a by-product of an illusion from none other than the ego. The ego is a false identity that keeps us apart from our real self as it constantly desires for individuality, yet in reality, we are completely bound by each other.

Why is it then, that pain is felt through any decision made via anger? Because the universal connection inside is cut off by the blade of the ego, constantly seeking its own glory whilst we do not realise that we have allowed it to devour all peace in the process.

The real self is accustomed to peace. It is in harmony with all existences and everything created by our beloved Lord. The fact that we are put under circumstances out of our control means that we are here with the purpose to accept them.

In order to fulfil this purpose, we need to understand that at every moment, we have the opportunity to make a change.

Change is made via our actions, which requires us to know the correct rules and manners of conduct to engage in circumstances as best as possible, leaving the results to God. Given how it is the Lord who decides the outcomes of our actions, it is fair to say that placing trust in Him is the best course of action.

The Central Point

Energy is an unlimited potential and nature is the centre point to which all existences are connected. When looking at the holy scriptures, it is clear that the message for all of humanity is one and that the centre point of everything, exists upon the will of God.

"According to the holy scriptures, the best way to obtain peace is to not get angry or vexed over anything. Do not fall short in your efforts and do not keep an eye on the results. Study the laws of life in which the nations on earth live. There are no defects in the laws of nature. Everything is completely dependent upon time. Things work and act as time compels them to do and act. As soon as time detaches itself from an object, the energy within it ends. All parts of the body remain, but energy does not. Time is a display of power. Power is energy and the centre; this centre is introduced as 'Nature' within the holy books. Nature is a central point that all people of the universe are attached to. Existence and non-existence are both swallowed up within it. When a human finds their relationship with this central point and the relationship with God, then all of their expectations concerning this world vanish. When this happens, then a cheerful and happy life surrounds them, and the eye of death looks on them as a loving mother, asking for their permission before coming closer." (Book: *Kashkoal*)

The passage above contains timeless words of wisdom for us to contemplate. It describes how to obtain peace in our lives by refraining from anger at all times.

The energy stored within us fuels our life. We feel a surge of happiness inside upon doing a kind act, and we become restless upon hurting others. This reflects the addition and subtraction of energy within us, respectively. If one gets angry, the waves they emit are not only harmful to the environment, but also for their own nerves. The positive energy is burnt away, or rather it is immediately drained, and thus we become devoid of peace.

Anger is said to be a poison that destroys a vast reservoir of energy inside a person. The Sufi saint, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) has stated that, "A minute's worth of anger will make you lose 3 years' worth of stored energy."

Anger is linked to the ego and peace is with reality. The ego will always indulge in selfishness and materialistic desires. No material object nor any circumstance can give us peace whatsoever. Eventually, when a desired object is obtained, it loses its glamour to the point that even the initial attraction disappears.

If we have obstacles between us and the object we desire, we become distressed and desperately

while doing anything. Until one becomes obedient to God's orders, they are not a human. Thus, it is binding upon everyone to make the best efforts possible towards this.

A student presented him a rosary as a gift and said that it included some beads from the rosary of a great saint of God.

Shah Nizam al-Din Aurangabadi (RA) said, "It is better to keep the rosary as a blessing with you. I do not keep a rosary in my hand because my inner is constantly praising God." He then addressed the audience and said, "Why would the one who glorifies God in his heart hold a rosary in his hand?"

One day, the *qawwal* (those who sing *qawwali – the* devotional music) were singing devotional songs and a stranger happened to join the gathering. After a while, he started a debate over one couplet.

Shah Nizam al-Din Aurangabadi (RA) said to him, "It is not wise to make arguments at this time; save your questions for later."

When inquired about his name, the man replied that it was, Abdul Ghani. Shah Nizam al-Din (RA) said, "It is not right to lie to saints."

The man then said that his name was Abdullah and left the gathering after a little while.

When he returned after a few days, the saint said, "When you had visited us the other day, that was not the appropriate time for discussions. Now, if you wish, you may ask me anything."

The man replied in a tone of regret, "Sir, I have come to seek forgiveness."

Shah Nizam al-Din Aurangabadi (RA) smiled and said, "Son, your name is neither Abdul Ghani nor Abdullah." The saint told him his real name, place of residence and educational qualification. Hearing this, the man felt embarrassed and became his devotee.

Once, a troubled man came to meet Shah Nizam al-Din (RA) and wept while telling of his wife's state of illness. Shah Nizam al-Din (RA) said, "I am not a physician." When the man insisted on treating his wife, Shah Nizam al-Din Aurangabadi (RA) recited some holy verses on water and asked him to give it to his wife. He then picked up some mud in his hand and gave it to the man, telling him to apply it to the wounds of the patient. He said, "By God's will, the patient will gain health." Later, the woman recovered.

Sheikh Nizam al-Din Aurang abadi (RA) passed away on 12th Dhul Qadah, 1142 Hijri. His tomb is covered with a beautiful dome and there is also a mosque built nearby.

from rulers; neither did he ever visit the royal palace.

Once it happened that the king sent him some food which he did not accept. When he sent it again, pleading with him to accept it for the sake of Sufis, he refused once again. Similarly, when the king invited him to visit the palace, he refused the offer.

When Shah Kaleemullah (RA) came to know of this, he remarked with great praise, "It is good that you did not accept the offer as it has become a matter of routine. This is indeed an arrogant and forceful act on their part. If they had in them the spirit to serve *faqir*, they would have come with respect and spent their lives at the service of *faqir* instead of this dictation."

During his period of stay in Deccan, the Nawab of Deccan, Ghazi Deen, arranged a dinner for him. However, he refused. When Shah Kaleemullah (RA) heard of this, he wrote to him: "You wrote that Ghazi Deen had invited you to a meeting and you did not go. I appreciate it. Had he been respectful, he would have come himself and not indulged in this pretense."

Hazrat Nizam al-Din Aurang abadi (RA) had a special interest in teaching and he possessed a great passion for learning as well. He wrote several books. Among these books, a book related to the remembrance of God titled '*Nizam-e-Quloob*' (The System of Hearts) is popular.

A student once asked him, "What is the easiest way to reach the destination?"

He said, "If your intention is pure, all paths become easy. If intention is not pure, every path is difficult."

The student asked. "What is the sign of a pure intention?"

He replied, "Love. And love is granted by remembrance."

The student said, "How?"

He said, "Remembrance is indeed very beneficial. I have not found anything more beneficial than this. One should indulge in remembrance at all times so that the heart pays no attention to any stranger. God Almighty says, 'Remember Me, I will remember you. Give thanks to Me, and do not deny Me.'"

Hazrat Aurangabadi (RA) kept in mind the guidelines of his master while formulating the training plan for his followers. He greatly emphasised reflection on the Holy Quran, and inculcated this practice in his students.

He used to say, "The purpose of the creation of humans is nothing other than worship of the Creator."

It is said in the Holy Quran, "I created the jinn and humankind only that they worship Me."

(Quran, 51:56)

He said that worship is devotion; and devotion is to know that God is present everywhere, and to be mindful of what God likes

ple of Deccan who would pass through there on their way to *Hajj*. However, due to some reason, Shah Aurangabadi (RA) could not reside in Burhanpur and lived in Aurangabad instead.

Shah Kaleemullah (RA) was very proud of his student's obedience. He sent him prayers in one of his letters: "May God's mercy be showered on you; for you do not take any step without permission. Whoever acquired this status in spirituality acquired it through obedience. This *faqir* has great affection for you. To whom shall I be kind if not to you?"

It has been written by Shah Muhammad Suleman Taunsvi (RA) that there were ten doors to the *astana* (residence) of Sheikh Aurangabadi (RA), and one person remained stationed at each of them. These men wrote down the problems people came with on pieces of paper and stamped them. The needy would then take their stamped papers and present it to the authorities. Those giving assistance to these people referred to them as an honour that had been conferred upon them.

Every person who visited Sheikh Aurangabadi (RA) received blessings as per their own inclination. A student called Khwaja Kamgar Khan wrote that the *astana* of Sheikh Aurangabadi (RA) reminded him of a couplet from Khwaja Hafiz:

Whoever wants to come, let him come and whoever wants to go, let him leave. There are no questions asked in this place.

The way Sheikh Aurangabadi (RA) spoke inspired people and thousands among them offered their repentance. Biographers write that his number of followers increased to one hundred thousand, owing to his effective system of teaching. He was very eloquent; it felt as if a river of words flowed out of him. He would often recite couplets as per the situation he was in. Once, he read the following couplet in order to emphasise the importance of worship.

After thirty years, the secret was revealed on Khaqani

A moment's presence before God is better than the kingdom of Solomon!

Sheikh Aurangabadi (RA) did not accept gifts from people. When Shah Kaleemullah (RA) came to know of this, he said, "When someone presents a gift with sincerity, accept it for the sake of their happiness and thereafter, distribute it amongst the needy."

Sheikh Aurangabadi (RA) would not let visitors leave without serving them something. If nothing was present at the time, he would offer bottles of fragrance to them. He always shared his food with others, and if no one was around him, he dispatched food to someone first, and then ate later. Following his predecessors, Hazrat Nizam al-Din Aurangabadi (RA) kept himself away from royal formalities. He never accepted gifts from the rich or

wasted no opportunity to be in service to humanity.

Once it so happened that Shah Kaleemullah (RA) rose to go somewhere and Shah Aurang abadi (RA) came forward, picked his master's shoes up, cleaned them, and placed them at his feet. Shah Kaleemullah (RA) was pleased by this act of his student and asked, "Nizam al-Din, did you come here to learn worldly knowledge or the inner one?"

As a reply, Shah Aurangabadi (RA) recited the following couplet:

I have surrendered myself unto you,

Now, the math of what is less

And what is more is all up to you!

Upon hearing the couplet, Shah Kaleemullah (RA) was astounded and recalled the foretelling of his spiritual master, Sheikh Yahya Madni (RA) who had said, "If someone comes to meet you and recites this couplet, know it well that he will acquire our affiliation and the Chishtia Sufi Order will flourish because of him."

Shah Kaleemullah (RA) realised that his distinct student had arrived. After taking the oath of allegiance, he initiated the student's inner training and sent him off to Deccan.

Shah Nizam al-Din Aurangabadi (RA) arrived in Deccan at a very critical time. In the struggle for survival, Aurangzeb was in dispute with the Marathas. The activities of the rebels were at their peak and fear loomed over the land during the last days of his rule. In these troubling times, it was a matter of great courage to stand up for reform. Nature has its way of providing humanity with wisdom and peace by selecting those few distinct people who have a thirst for knowledge and learning. Sheikh Aurangabadi (RA) became a torch of hope in those trying times.

He had set off for Deccan along with the royal caravan, and his first act as a teacher began here. His efforts came to fruition and people gained grace from his teachings. The strength of his followers increased day by day.

Seeing the expansion of the mission, his master Shah Kaleem ullah (RA) wrote to him: "It has come to my knowledge that a huge number of youngsters have been inspired by your style and they have appreciated your methods. It seems as if they have recognised the guidance."

For the sake of preaching and reformation, Shah Nizam al-Din Aurangabadi (RA) stayed in many different places. His spiritual master constantly communicated his instructions through letters.

In one of his letters, Shah Kaleemullah (RA) said, "Let Burhanpur become your place of residence. It will be conducive to the spread of the mission. It is a fact that even a desert is blessed with life if it is near a river."

Geographically, Burhanpur was very significant. It was a passageway not only for the Northern Subcontinent but also for the peo-

that you still possess that devil (coconut elixir) with you."

Upon confession from the man of this being true, the saint ordered him to throw it into the river and said, "A *faqir* has no greed for gold and silver, rather they remain reliant on God for everything."

The man followed the instruction and threw the coconut elixir into the river, and lo and behold, his inner world was illuminated, and he was granted the status of a Friend of God. The saint coronated him with the name, Abdul Haq, and bestowed him with his robe. After educating him and transferring over the true knowledge, the saint sent him to Tabrez to be in service of mankind.

Shah Nizam al-Din Aurang abadi (RA) belonged to a very learned family. After acquiring initial education in his native land, he proceeded to Delhi for higher education. During that time, Delhi was the educational and spiritual centre of the subcontinent. While he was staying there, hearing of the great reputation of Shah Kaleemullah Jahan Abadi (RA), he decided to visit the place where he resided. As he arrived, he found a *Sama* (the devotional music) gathering taking place.

It was one of Shah Kaleem's (RA) rules that no new entrants would be allowed into a gathering after it had begun. However, when the door was knocked upon, he asked one of his students to see who it was. The student came back and reported, "A destitute man with the name Nizam al-Din, and he requests a meeting with you."

As soon as he heard the name, Shah Kaleemullah (RA) asked the student to escort the man in. The audience grew curious, they were eager to know the identity of the person who was granted permission to join the gathering; which was against the usual practice.

To the surprise of the students, the Sheikh responded thus, "I can feel a familiar fragrance arising from this person and his name. He is not a stranger."

Shah Nizam al-Din Aurang abadi (RA) had come to Shah Kaleemullah (RA) with the intent of acquiring worldly knowledge, but the company of the latter increased his inclination towards learning the knowledge of the inner. Shah Kaleemullah (RA) was known to give his full attention to those who came to him yearning for knowledge.

One day, whilst Shah Kaleem ullah (RA) was busy teaching Shah Aurangabadi (RA), a visitor arrived. The visitor sat near Shah Kaleemullah (RA), and as he did so, he was overcome by a state of ecstasy that lasted for a long time. Shah Aurangabadi (RA) was very impressed by this sight, and his devotion towards his spiritual master increased multifold. From then on, he devoted himself wholeheartedly towards gaining knowledge from his master and

Bottles of Fragrance

He said that worship is devotion; and devotion is to know that God is present everywhere, and to be mindful of what God likes while doing anything.

A person with worldly desires went to meet a friend of God and asked, "What is the Divine secret that you acquired as a saint?" In reply, the saint recited a verse of the Holy Quran,

"Be glorified! We have no knowledge saving that which Thou hast taught us. Lo! Thou, only Thou, art the Knower, the Wise." (Quran, 2:32)

The man insisted on knowing but the saint ignored him. But the man continued to persist and so the saint said, "If you wish to know, look at your face in the mirror." Saying this, the saint called upon a helper to bring a mirror.

When the man saw the reflection of his face, he was frightened. He saw that half of his face was that of a monkey, and the other half was that of another animal. He could barely speak, but mustered courage and asked, "What is this? How has my face changed?"

The saint replied, "You worship animals such as the monkey; your face has therefore become like theirs."

Seeing the display of the saint's miraculous powers, the man sought forgiveness for his sins in the past and said, "Sir, let me also share something with you that will earn you a treasure that will never diminish no matter how lavishly you spend it." Saying this, the man presented the saint with a coconut and said, "The results you will see are very accurate." The man melted copper and poured it into the shell of the coconut, immediately turning it to pure gold.

Watching the unfolding action silently, the saint smiled and said, "This method is cumbersome. By the grace of God, I am aware of an easier way of attaining the same result. Give me a little copper." After melting the copper in a lathe, the saint added his saliva to it and the copper transformed into gold. The man was once again stunned and queried, "What is the wisdom behind this?"

The saint remarked, "It is the auspiciousness of the name of God. Any task that we begin by invoking the name of God is accomplished by His grace."

The man requested the saint to include him into his circle of followers and he was accepted.

After several years of spiritual training, he had still not received any spiritual blessings. One day, he approached the saint and said, "I practice my lessons regularly, but the veil has not yet been lifted."

The saint replied, "It appears

Have You Earned Your Tomorrow ?

Is anybody happier because you passed his way?
Does anyone remember that you spoke to him today?
This day is almost over, and its toiling time is through;
Is there anyone to utter now a kindly word of you?

Did you give a cheerful greeting to the friend who came along?
Or a churlish sort of "Howdy" and then vanish in the throng?
Were you selfish pure and simple as you rushed along the way,
Or is someone mighty grateful for a deed you did today?

Can you say tonight, in parting with the day that's slipping fast,
That you helped a single brother of the many that you passed?
Is a single heart rejoicing over what you did or said;
Does a man whose hopes were fading now with courage look ahead?

Did you waste the day, or lose it, was it well or sorely spent?
Did you leave a trail of kindness or a scar of discontent?
As you close your eyes in slumber do you think that God would say,
You have earned one more tomorrow by the work you did today?

— Edgar A. Guest

ence just like us. These include insects, birds, fish, mammals, reptiles and many more. Our behavior towards our planet inadvertently impacts other life forms too. Should not we take this into account before we act?

The Sufi Scholar, Khwaja Shams al-Din Azeemi, elaborates on negligence as follows:

“The Quran says that there are sights and truths for the believers, meaning that the characteristics of believers is that they have a deep insight into the realities of the skies and earth as well as the formulae of the creation of the skies and earth. The power of observation of the believers unveils the solar systems. The Quran announces time and again that these signs are for the believers. This means that the signs of God Almighty are for everyone but only believers amongst the people actually think deeply about these signs, verses and wisdom of God. Most people are therefore buried in carelessness, and remain stubborn and obstinate. To truly understand our environment, we have to make ourselves aware of God’s creation, and develop the spiritual link between all things.”

The following verses from the Quran tell us more about the signs of God:

“God sendeth down water from the sky and therewith reviveth the earth after her death. Lo! herein is indeed a portent for a folk who hear. And lo! in the cattle there is a lesson for you. We give you to drink of that which is in their bellies, from betwixt the refuse and the blood, pure milk palatable to the drinkers. And of the fruits of the date palm, and grapes, whence ye derive strong drink and (also) good nourishment. Lo! therein, is indeed a portent for people who have sense. And thy Lord inspired the bee, saying: Choose thou habitations in the hills and in the trees and in that which they thatch; Then eat of all fruits, and follow the ways of thy Lord, made smooth (for thee). There cometh forth from their bellies a drink diverse of hues, wherein is healing for mankind. Lo! herein is indeed a portent for people who reflect.” (Quran, 16:65-69)

There are signs on Earth for people who hear, use their intellect and those who reflect. Our environment is inherently spiritual. Once we understand this, we can fully comprehend the mercy and blessings bestowed upon mankind and through this realisation, we can then take care of our planet as a true caretaker and have a symbiotic relationship with all of God’s creations.

“Even after all this time, the sun never says to the earth, 'You owe me.' Look what happens with a love like that. It lights up the whole sky.”

— Hafiz Shirazi

behavioural change.

There is a push for people to change their lifestyle choices both at work and at home. But even beyond, to become environmentally conscious in all our activities such as travelling, eating out, and anything we do in our social lives.

Companies are developing their own awareness raising campaigns, carbon management and transport strategies, hiring sustainability managers, improving waste management, going plastic free, etc. This illustrates a positive mental shift to a more ethical and sustainable approach not only at an individual level, but at an institutional and corporate level too.

However, one huge paradox in light of all this talk about the environment and sustainability is that most people across the world, in particular those in urban areas, are largely disconnected from an in-depth relationship with their environment. They all understand when one mentions that good quality air and water is important for everyone, but only from a very shallow perspective.

This is because most people take these blessings for granted, and we have lost the ability to have adequate insight into the reality of these elements which are fundamental in sustaining life.

There is a spiritual aspect to the environment, which is hardly discussed or mentioned. Ironically, it is through spiritual understanding that we can actually live in harmony with our environment and all the things we call natural.

One way to see the Earth is as our parent, and often it is referred to as 'Mother Earth'. Do you see how a mother nurtures its children, looks after them, feeds them, and protects them? Similarly, the earth is laid out for us to use, and it gives us everything we need to grow and flourish. Simply having this awareness can help us create a loving relationship with our environment. The Earth is also a sign of God's greatness, mystery and handiwork. Just observe the range of species and colours, and the order of things. The daily presence of the sun, and of the moon at night. The energy and power in the soil to nurture, and the expanse of air and water. Do you not think that most of humanity take these for granted?

The first step to address our environmental concerns is to develop a deep appreciation and awareness about our natural world. Unfortunately, as there is a deep disconnect between people and the environment, our education needs to pay far more appropriate attention to our planet, and frame this education in the context of having a symbiotic relationship between people and the earth. The earth gives us so many crucial things without wanting anything in return. The least we can do is ensure that we are appreciative and do everything possible to not damage it.

There are multiple life forms beyond mountains and trees that also rely on our planet for subsist-

Are You Eco-Friendly?

"To truly understand our environment, we have to make ourselves aware of God's creation, and develop the spiritual link between all things."

Our planet Earth occupies a small place in comparison to the universal cosmos. Yet this Earth consists of such a variety of creations that once reflected upon, one has no other option but to be bewildered at the range and types of creations on and in this planet. The sky, earth, trees, mountains, birds, insects, humans, jinn and angels are members of this magnificent system. Plants, minerals and rocks, the ebb and flow of rivers, clouds and rain, lightning and thunder, oceans and the life within it, illustrate the grandeur and colour given to this world by God Almighty. What about all the microorganisms the naked eye cannot even see?

If one reflects, we can see that air, water, fire, and earth i.e. soil are the four most important elements required for sustaining life. All of them work perfectly in harmony to protect and nourish the earth and earthly beings including humans, mammals, birds, fish, and insects that number in billions more than the human population. It is astonishing to observe how all of this is sustained with no human intervention.

We can deduce from this that God is not only the Creator and Provider, but the Sustainer and Giver too. He is the Fashioner of things, the Most Merciful, and the Most Compassionate.

However, the Earth is experiencing more and more extreme weather patterns, that are affecting all lives on this planet adversely. If you contemplate the underlying factors, there are problems being created by the thinking and actions of mankind, and this necessitates solutions and counter actions to help keep the balance and tranquility of life on Earth.

There is now a lot of discussion, campaigning and policy work about climate change mitigation, carbon taxes, and energy efficiency, etc. Many companies are now trying to adopt sustainability measures, either through genuine concern or to show others that they are concerned for their reputation. The elephant in the room is economic growth versus environmental sustainability.

People are always wanting to make profits through businesses involving products, services, technology, resources, etc. and very little thought is actually given to the environmental cost of production or the journey of products through the supply chain. Everything uses energy.

Local governments, universities, unions, corporations and many others are coming together to understand and deliver a more sustainable environment, including transport, recycling, energy efficiency and more importantly,

respective zone.

As per the spiritual point of view, humans are a combination of two states. One state sets one free from the limitations of time and space and the other keeps one trapped in the bounds of time and space.

Electricity:

An individual is made of two layers. The activities of one layer are fictitious and it annihilates all the time. The other layer is the reality of the human and it is a weave of lights. This real layer is like a veil. The physical body created from elements remains active within this veil. If the veil is removed, the energy contained in the elements disappears in no time.

One feels a shock upon touching electric wires. This is because the additional electrical current increases the 'vibration' of electricity circulating in an individual. This vibration shakes the whole body.

A person can collapse and become unconscious if the voltage of electricity working in their body is too low. When humans become aware of the electricity or *Nasma* (body of light) working within them, they can cease the flow of electricity in their body, or conversely store the voltage up to their capacity. Thus, they attain so much strength within themselves that with the help of *Sultan* (hidden power), they can break free from the bounds of earth and heavens. There are numerous stories of God's friends in which they have visited the heavens.

"O company of jinn and men, if ye have power to penetrate the regions of the heavens and the earth; then penetrate! Ye will never penetrate them save without Sultan." (Quran, 55:33)

In this verse, God has mentioned this very ability we all have. The same underlying principle and secret is hidden in the account of the ascension of Prophet Muhammad (PBUH) – who is the holder of the knowledge of the Book, teacher of the formulae of creations, and also the very reason for the creation of the universe.

The Veil of the *Tajalli* (a stage of Divine light):

God encompasses everything. Prophet Muhammad (PBUH) kept himself spiritually, physically and practically dependent on God for his entire life. By the special blessings of God, Prophet Muhammad (PBUH) is the trustee of *Tajalli*.

God lit up the entirety of the atmosphere with *Noor* (a stage of Divine light) to bless His beloved (PBUH) with nearness. The seven heavens sparkled with the *Tajalli*. In the company of Gabriel (PBUH), Prophets (PBUT) congratulated Prophet Muhammad (PBUH) and transferred him the blessings and Divine light stored within them. The illumined soul – the beloved of God – Prophet Muhammad (PBUH) became close to God, to the extent that there remained a gap of two bows or even less when they spoke on whatever He willed. The heart did not lie, what it saw.

(Episode 4)

reached *Sidrat al-Muntaha* along with Gabriel (PBUH). *Sidrat al-Muntaha* is the last station for Gabriel (PBUH). Upon reaching there, he said, "I cannot travel beyond this station, beloved Prophet (PBUH) of God. You may please proceed further yourself."

Scientific Discoveries:

The Holy Quran that descended on Prophet Muhammad (PBUH) is a Divine Book containing the formulae to govern the universe, and the knowledge of the unseen. In this Book, every small or big thing is explained in detail. It holds the scientific knowledge of all eras – be it of the era that passed thousands of years ago, the present era, or even those that will come thousands of years from now. Other items also described in great detail are time and space, *nafi asbat* (negation and affirmation), the past, present and future, 'timelessness' and 'spacelessness'. The Quran holds physical knowledge and the knowledge of *ghaib* (the unseen realm). For example, in the story of the Queen of Saba, when Prophet Solomon (PBUH) learned of her arrival, he asked his courtiers, "I want the royal throne of the Queen in this court before she arrives here." A huge jinn said, "I can bring it here before this court adjourns." Upon listening to this claim, a human with knowledge of the Book said, "The Queen's throne shall be here before the blink of your eyes." As Prophet Solomon (PBUH) turned around, he found that the throne was there in the court.

This story describes the time when a jinn in Prophet Solomon's (PBUH) army said he could bring the Queen's throne to Prophet Solomon's (PBUH) court in a short time, covering a distance of about 2413km. However, as humans have a higher level of access to knowledge, a human brought the royal throne to the court in less than a second.

God inspired scientific knowledge to researchers and intellects for the development of human consciousness. As a result, new discoveries were made, different branches of knowledge were formed and the human conscious attained capaciousness.

Because of scientific knowledge, a type of ant was found that has the ability to transfer its body from one place to another. Certain types of fish have been found who swim to surface levels, jump in the air and as they do this, their body dissolves in the air and they transfer to a different location. They have the ability to break free from the limitations of time and space as per their will. So, when other creatures have the ability to teleport their physical bodies, should humans – being superior to other creations – not also have the ability to break free from spatiotemporal limits?

From time immemorial to eternity, humans are transferring from one zone to another and will continue to transfer. When humans transfer into other zones, they take on forms and features and emotions as per the formation of the

Prophet Muhammad (PBUH)

"I cannot travel beyond this station, beloved Prophet (PBUH) of God. You may please proceed further yourself."

During *mairaj*, God blessed Prophet Muhammad (PBUH) with a meeting in solitude with Him. While observing the beatific vision of God, Prophet Muhammad (PBUH) neither transgressed nor blinked. All the prophets offered prayers under the leadership of Prophet Muhammad (PBUH). He met Prophet Adam (PBUH) at the first heaven, Prophet John (PBUH) and Prophet Jesus (PBUH) at the second, Prophet Joseph (PBUH) at the third, Prophet Idris (PBUH) at the fourth, Prophet Aaron (PBUH) at the fifth, Prophet Moses (PBUH) at the sixth and Prophet Abraham (PBUH) at the seventh heaven.

Prophet Muhammad (PBUH) said, "When I was to leave from there, Prophet Moses (PBUH) started crying. When I inquired about the reason, he said, 'I feel proud that God has blessed a person who came after me with such stature that his followers will enter paradise in greater numbers than my followers.' When I reached the seventh heaven, I met Prophet Abraham (PBUH) who was sitting with his back resting against *al-Bayt al-Mamur* where 70,000 new angels enter (every day for prayer). He replied to my *salam* (peace greetings)."

Observation of Heaven and Hell:

Prophet Muhammad (PBUH) visited heaven and hell, and was blessed with the honour to see and speak to God directly.

Gabriel (PBUH):

On the night of 27th Rajab, on Saturday, Prophet Muhammad (PBUH) was resting at Hazrat Umme Hani's (RA) house.

Gabriel (PBUH) arrived and respectfully said, "God has called you for a visit to the heavens." He took Prophet Muhammad (PBUH) to the *Kaaba* (House of God) where he opened Prophet Muhammad's (PBUH) chest and washed his heart with *zamzam* water, and then filled his chest with the *Noor* (a stage of Divine light). Gabriel (PBUH) also gave him a *Burraq* to travel upon, who was as quick as the speed of light.

The last Prophet of God – Muhammad (PBUH) – reached from *al-Masjid al-Ḥaram (the Great Mosque of Makkah)* to *al-Masjid al-Aqsa* (*al-Aqsa* Mosque). Hundreds of miles distance was covered in a single moment. Prophet Muhammad (PBUH) was welcomed by other Prophets (PBUT) in *al-Aqsa Mosque*. Gabriel (PBUH) conducted the *azaan* (call to prayer) and Prophet Muhammad (PBUH) led the prayer. After offering prayers, the journey of *mairaj* (ascension) started again.

Sidrat al-Muntaha: After meeting prophets in all seven heavens, Prophet Muhammad (PBUH)

created in pairs and each member of a pair has a hidden pair within them. This law is called as *Zaujain Isnain* in the Quran. One example of this is day and night. Both the day and night have separate speeds, but since their base is the same, the night enters the day, and the day enters the night.

• • ———————— • •

The earth is one but has different tracts, which work as molds that keep the mechanism of fixed proportions in place. In the same way that the earth is one but various tracts make it look different, when an ingredient or a component is less or more in proportion, it makes everything look different in appearance, colour and taste. This can be understood through the following verse of the Quran:

> "And in the earth are neighbouring tracts, vineyards and ploughed lands, and date palms, like and unlike, which are watered with one water. And We have made some of them to excel others in fruit. Lo! herein verily are portents for people who have sense." (Quran, 13:4)

The tracts are examples of individual and collective co-ordination.

This can be further elaborated through the example of the Strait of Gibraltar. At the Strait of Gibraltar, the waters of the Atlantic Ocean meet the waters of the Mediterranean Sea. They flow together at this point, but never mix with each other. It has been witnessed that when a ship crosses the line where the two waters meet, the droplets of the white water fall back into the white water, and the droplets of the black water, fall back into the black water.

> "He hath loosed the two seas. They meet. There is a barrier between them. They encroach not." (Quran, 55: 19-20)

Dear readers – what did you learn from the 'Message of the Day'?

May God protect you.

alternate words, the proportion of heat in the sun is higher than that of the moon. Similarly, the proportion of cold in the moon is higher than that of the sun. The process of attraction and repulsion that works between them, is as follows.

The high amount of heat in the sun and the high amount of cold in the moon, keep them away from each other – this is repulsion. While on the other hand, the high amount of heat in the sun attracts the lower proportion of heat in the moon – this is attraction. Likewise, the high amount of cold in the moon attracts the lower proportion of the cold in the sun – this is also attraction. This reads mathematically as follows:

(+) Heat (+) Cold = Repulsion

(+) Heat (-) Heat = Attraction

(+) Cold (-) Cold = Attraction

If a day does not gravitate towards the next day, there will never be a second day, this is how the law of attraction works. On the arrival of the second day, though the whereabouts of the first day become unknown, it does not cease to exist. We refer to the next day as the second day only because the first day is present within it.

Each creation contains equal proportions of attraction and repulsion that help in maintaining their individuality. The intensity with which things gravitate towards each other is equal to the intensity at which they repel. This is why, things appear stationary to us, despite being in constant motion.

• • ——————— • •

> "And it is He who spread out the earth and set thereon mountains standing firm and flowing rivers, and fruit of every kind He made in pairs, two and two. He draweth the night as a veil over the day. Behold, verily in these things there are signs for those who consider."
>
> (Quran, 13:3)

The intrinsic trait of the earth is to contract. However, in order to sustain life on Earth, God has stretched it and placed mountains upon it and let rivers flow. Stretching, refers to the process of repulsion that slows down speed. This is how God has made the speed of the earth at par with the consciousness of the creatures inhabiting it. Similarly, the foundation of a mountain is a particle. It is the working of yeast within the small particle, which puffs it up into a mountain. To unveil the reality of mountains, God says that you see the mountains as fixed entities, but they are all flying like clouds.

The word 'fruits' in the third verse of chapter *Ra'ad* refers to all resources and this includes every creature. Everything in this universe is

remain bound to each other to a certain extent. There is a force between the earth and sky, which not only maintains the distance between the two, but is also responsible for creating co-ordination between them. It is because of this co-ordination, that one is able to perceive the 'reflection' of the moon and stars from the earth.

This demonstrates the magnificence of the system of creation in which the individual and collective mechanisms remain in sync with each other.

• • ———————— • •

Providing insight into the equation of the universe, the following verses in the chapter *Ra'ad* of the Quran state:

> "Alif. Lam. Mim. Ra. These are verses of the Book. That which is revealed unto thee from thy Lord is the Truth, but most of mankind believe not. God it is who raised up the heavens without visible supports, then mounted the throne, and compelled the sun and the moon to be of service, each runneth unto an appointed term; He ordereth the course; He detaileth the revelations, that haply ye may be certain of the meeting with your Lord." (Quran, 13:1-2)

These verses elucidate the law of speed and attraction. What is speed? Speed is the proportion of pressure present in energy. These proportions have been explained in the Quran, but there are only a few who contemplate them.

The above verses explain that the earth and the sky have been created in proportions. The sky, like the earth, is constantly in motion. Owing to their distinct proportions, they move in their respective territories. When proportions are fixed, it activates the process of attraction and repulsion between creations. While repulsion keeps two distinct proportions away from each other, attraction brings together proportions that are similar. For example, salt moves towards salt and sugar is absorbed in sugar. Adhesiveness gravitates towards adhesiveness, and as it does, the distance between them evaporates into thin air.

Let us assume that the proportion of sweetness is 10 percent in an apple, and about 15 percent in a banana. As discussed earlier, sweetness in fruits is because of the presence of moonlight within them; therefore, moonlight is present in both an apple and a banana. Keeping this fact in mind, can we not say that it is not needed to go to moon to learn of its attributes? Because, the moon is present in different proportions not only in the fruits, but in the rise and fall of the sea tides, and in the attitude and behaviour of different beings too.

The sun and moon have fixed proportions. There is a fixed amount of heat and cold present in the waves that gives life to both of them. But the moon is colder than the sun and the sun is hotter than the moon. In

Message of the Day

"Who createth, then disposeth; Who measureth, then guideth." (Quran, 87:2-3)

Irrespective of the different speeds at which they operate, all creatures in the universe remain in sync with each other. Speed functions in two modes; individual and collective. For example, despite the Sun and Moon having different proportions, they both appear and disappear from our sight in accordance with their distance from the Earth. In other words, the Sun, Moon and Earth have distinct speeds on the outer plane, but are all in sync with each other on the inner plane. This cohesion exists between all creatures, which is why everything in this universe is interconnected. While the Earth, maintaining its harmony with the Sun and Moon, rotates on its axis at a certain speed, it also correlates with everything that is above and beneath its surface simultaneously. This mechanism of individual and collective speed is active in every creature concurrently, and does not change its course for even a moment.

• • ——————— • •

Life is based upon dimensions and speed. While speed is directly proportional to time; time is relative to the capacity of the being or object. Though everything in the universe appears in intervals, it can also be manifested all at once. However, when something is manifested in its entirety in one go, its physical body, unable to withstand the pressure of high levels of energy, will break apart. In order to protect the physical body from damage, the process of manifestation materialises in intervals.

Fruits grow seasonally at their respective time and speed. All essential elements, be it in the celestial or earthly systems, come together in their distinct proportions and contribute towards the ripening of the fruits. Apart from maintaining its own speed, every creature also correlates with the speed of other creatures. Contemplating this point, reveals the potential that lies in every being.

Moonlight is a cause for sweetness in fruits. However, one must note that the moon is a celestial body, and the time and space of the sky is different from the time and space of the earth. Therefore, if moonlight were to enter the fruits at its celestial speed, they would explode, unable to withstand the flow of energy. Hence, the moonlight is transmitted in accordance with the structure and capacity of the fruit to absorb energy. This is why fruits ripen at different times and vary in taste.

Though the celestial bodies are free from terrestrial constraints, they

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Prophet Muhammad (PBUH)	Extracted	168
Are You Eco-Friendly?	Shahab Adris (UK)	165
Bottles of Fragrance	Qurat-ul-Ain Wasti	161
The Central Point	Sohaib Rana (UK)	155
The Energy Flows	Mukashfa Naeem (China)	150
Circle of Life	Bibi Anuradha (UAE)	146

"The happiness of the drop is to
die in the river."

— Imam Ghazali (RA)

Vol 8 Issue 6 | July 2020 | Dhul Qadah Dhul Hijjah — 1441AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor

Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

حکیم ایلوویرا شیمپو

Repairs
Damaged Hair

- نرم و ملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

روغن پرسیاؤشان

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل

- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشوونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سردرد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

TOYOTA

All New TOYOTA

YARiS

1.3 and 1.5 Available for Booking

For Booking Details Please Contact:

UAN: (022) 111 555 121 or 0348-1119705

TOYOTA HYDERABAD MOTORS

A/41, AUTO BHAN ROAD